Rubaroo
MATRIMONIAL PROGRAMME
EVERY SUNDAY Timings : 10:30am to 4:00pm
AT : AZAM FUNCTION HALL Moghal Pura, Hyderabad
Contact : 6309892200

R.N.I.No.APURD/2013/54302

حیدرآباد ہفتہ روزہ

فلک نما نیوز

FALAKNUMA NEWS

Urdu Weekly Hyderabad.

Editor In Chief: MOHD ATHER RAHEEM

www.falaknumanews.in

ISLAMIA GROUP OF INSTITUTIONS
SRT COLONY YAKUTPURA, HYD-23

COURSES OFFERED

JUNIOR: C.E.C/BI.P.C/M.P.C/M.E.C
DEGREE: BA/B.COM/B.SC/BBA/BCA
P.G : M.A (Eng)/M.COM, M.SC (Nutrition & Dietetics) M.SC. (Bot) & M.SC (Chemistry), MSc Maths
LAW : BA, BBA, 5YDC/LLB 3YDC, LLB (Hon's)

Contact No:: 9347683872

۱۵/ اگست ۲۰۲۵ء | DATE:15-08-2025 | جلد(13) | شمارہ(30) | قیمت ایک روپیہ | صفحات(12)

शिक्षा मंत्रालय
भारत सरकार
MINISTRY OF EDUCATION
Government of India
सत्यमेव जयते

NCPUL

79 واں یوم آزادی مبارک

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، حکومت ہند کی سرگرمیاں اور حصولیابیاں

(2014-15 تا 2024-25)

- **عالمی کانفرنس / قومی سیمینار و کانفرنس**
  7 عالمی کانفرنس اور 104 قومی سیمینار / کانفرنس کا انعقاد
- **CABA-MDTP میں ایک سالہ ڈپلوما کورس**
  28 ریاستوں / یونین ٹیریٹریز میں 603 مراکز، 303972 طلبا تربیت یافتہ
- **اردو کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن میں دو سالہ ڈپلوما کورس**
  18 ریاستوں / یونین ٹیریٹریز میں 73 مراکز، 34,853 طلبا تربیت یافتہ
- **اردو زبان میں ایک سالہ ڈپلوما کورس**
  26 ریاستوں / یونین ٹیریٹریز میں 1602 مراکز
  8,79,141 طلبا تربیت یافتہ (بشمول CABA-MDTP طلبا)
- **فنکشنل عربک میں دو سالہ ڈپلوما کورس**
  26 ریاستوں / یونین ٹیریٹریز میں 499 مراکز، 2,88,761 طلبا تربیت یافتہ

- **بک پروموشن / ایگزیبیشن / موبائل وین**
  12 قومی کتاب میلے کا انعقاد اور 179 کتاب میلوں میں شرکت / موبائل وین سے نمائش
- **عربی میں ایک سالہ سرٹیفکیٹ کورس**
  26 ریاستوں / یونین ٹیریٹریز میں 512 مراکز
  2,80,283 طلبا تربیت یافتہ
- **فارسی میں ایک سالہ سرٹیفکیٹ کورس**
  26 ریاستوں / یونین ٹیریٹریز میں 125 مراکز
  39,949 طلبا تربیت یافتہ
- **پیرمیٹی میں چھ ماہی سرٹیفکیٹ کورس**
  جموں و کشمیر میں 6 مراکز، 1,280 طلبا تربیت یافتہ

- 549 کتابوں اور رسائل کی اشاعت
- 2256 سیمینار / لیکچر سیریز کو مالی تعاون
- 3722 کتابوں اور رسائل کی تھوک خریداری
- 1928 مسودات کی اشاعت کے لیے مالی تعاون
- 357 پروجیکٹس کے لیے مالی تعاون
- اردو پریس پروموشن کے تحت 11234 اخبارات / رسائل کو مالی تعاون
- ٹی وی پر اردو دنیا کے 375 ایپی سوڈ کا ٹیلی کاسٹ

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद् | قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Department of Higher Education, M/o Education, Govt. of India.

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025

011-49539000 | 011-49539099 | www.urducouncil.nic.in | director@ncpul.in | @nationalcouncilforpromotionofurdulanguage | @ncpuldelhi

ہفتہ روزہ
فلک نما نیوز حیدرآباد
FALAKNUMA NEWS
Urdu Weekly Hyderabad

ہندوستان کے سماجی استحکام میں صوفیائے کرام کا حصّہ

☆اسلام اور مسلمانوں سے ازلی دشمنی رکھنے والے بالخصوص مستشرقین کا یہ الزام ہے کہ مذہب اسلام دنیا میں تلوار سے پھیلا ہے، ایسے عناصر اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور آپ کی صلح کُل تعلیمات کا وسعتِ قلبی کے ساتھ جائزہ لیں نیز اولیائے کرام وصوفیائے عظامؒ کی سیرت و کردار کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت روشن ہوجائے گی کہ دنیا میں اسلام کا عروج کسی مادّی طاقت کا مرہونِ منت نہیں، یہ اُس کی اخلاقی تعلیمات کا نتیجہ ہے، جس میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی تبلیغی خدمات سرِفہرست ہیں، اگر موجودہ عالمِ اسلام پر ہی نظر ڈالیں تو اِس کا بیشتر حصّہ وہ ملے گا، جہاں مسلمانوں کی طرف سے کبھی لشکر کشی نہیں ہوئی، خاص طور پر انڈونیشیا، ملیشیا، مالدیپ اور افریقہ براعظم کے اکثر ممالک میں تو اسلام عرب تاجروں کے ذریعہ ہی پہنچا۔ اِس میں برصغیر ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش بھی شامل ہیں، جہاں سب سے پہلے عرب تاجروں نے اپنے لنگر ڈالے اور صوفیائے کرام نے خیمے نصب کرکے اخلاق، کردار، معاملات کی تلوار سے لوگوں کے دل فتح کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اِس سرزمین کی یہ بھی بڑی خوبی رہی کہ اُس نے اپنے بہی خواہوں کے لیے ہمیشہ فراخ دلی کا مظاہرہ کیا، جو بھی اہل اللہ یہاں رونق افروز ہوئے مقامی لوگوں نے اُنھیں سرآنکھوں پر جگہ دی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور مولانا کرامت علی جونپوریؒ تو وہ ہستیاں ہیں، جن کے نہتے ہاتھوں پر لاکھوں انسان مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ بزرگانِ دین انسانی دلوں کو فتح کرنے اور محبت کی تلوار سے دشمنوں کو گرویدہ بنانے کا ہنر جانتے تھے۔ اِس کے برعکس وہ حاکم تھے جو اپنے علاقوں میں کاروبار حکومت سنبھالے ہوئے تھے، اُنھیں اپنی رعایا کی آسائش وترقی کی کوئی فکر نہیں تھی، اُن کا واحد مقصد شخصی اقتدار اور سیاسی دبدبہ قائم رکھنا تھا۔ اِس صورتِ حال کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ممالکِ غیر سے بھی طالع آزما سلاطین اور اُن کے جرنیل ہندوستان پر حملہ آور ہوتے رہے اور یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا، جب تک کہ سلطان محمود غزنوی نے ملک کو فتح نہیں کرلیا۔ اُن کی فوجیں دہلی اور اجمیر کو پامال کرتی ہوئی گجرات میں سومناتھ کے مندر تک نہ پہونچ گئیں۔ محمود غزنوی ہو یا شہاب الدین غوری، اِن کے پے درپے حملوں سے ملک ضرور فتح ہوگیا لیکن وہ عوام کا دل جیتنے میں ناکام رہے۔ اِس کے بجائے فطری طور پر عام ہندوستانیوں کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کڑواہٹ بڑھتی گئی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہندوستان میں اسلام سب سے پہلے سندھ اور جنوبی ہند کے ساحلوں سے داخل ہوا اور نو وارد مذہب کی اخلاقی تعلیمات عوام وخواص میں اِس کی مقبولیت کا سبب بنیں۔ اسلام کی اِس اشاعت میں جہاں فرسودہ طبقاتی نظام اور ذات برادری کی لعنت سے بیزاری کا بڑا دخل تھا، وہیں اِس کے شانہ بشانہ حضراتِ صوفیائے کرام اور اہل اللہ کی توجہات نے بھی اہم کردار ادا کیا، یہ عہدِ وسطیٰ کا ہندوستان تھا جب بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی گلے مل رہی تھیں اور علماء، صلحاء، فقہاء اور صوفیاء کے قافلے یہاں داخل ہورہے تھے، اُنھیں سرزمین ہند کی نرمی اور رواداری کا احساس ہوا تو وہ یہیں مقیم ہوگئے، اُن کے اخلاق وکردار کے عملی مظاہرے ساتھ ہی رُشد وہدایت کی سرگرمیوں کا یہ اثر ہوا کہ عوام الناس اپنے دُکھ اور مصیبتوں میں اِن اہل اللہ سے رجوع ہونے لگے، جواب میں خود وہ بھی ''الخلق عیال اللہ'' کے مسلک یعنی انسانوں کو 'خدا کا کنبہ' قرار دے کر اُن کی مادّی و روحانی تربیت میں مصروف ہوگئے۔ صوفیائے عظام کی اِس خدمت کا نقش عوام کے دلوں پر اِتنا گہرا ہوا کہ وہ مسلم حکمراں وسلاطین کو فراموش کرکے صوفیائے باصفا کو اپنا سب کچھ سمجھنے لگے، اُن کی ہدایت پر سرِ تسلیم خم کرنے اور اُن کے دکھائے ہوئے راستہ کو مشعلِ راہ بنا کر زندگی گزارنے لگے، صوفیائے کرام ذات وبرادری کے امتیاز اور اشرف وارزال کی تفریق کے قائل نہیں تھے، سب کے ساتھ اُن کا یکساں سلوک اور اپنائیت کا برتاؤ بھی معاشرہ پر گہرے اثرات مرتب کررہا تھا۔ دوسری جانب وہ سلاطین وحکمراں تھے، جو اپنی سلطنت کی توسیع کے لیے ہندوستان میں وارد ہوئے تھے، اِس لیے عوام سے اُن کے براہِ راست رابطہ و تعلق کے شواہد کم ملتے ہیں۔ اُنھیں کاروبارِ حکومت سے وقت نکال کر عام انسانوں تک پہنچنے کی فرصت بھی نہیں تھی، چار بڑی ذاتوں کے سوا دوسری پسماندہ برادریوں کے لیے مساوات تو کجا، انسانیت کا عام سلوک بھی عنقا تھا، جبکہ حضرات صوفیاء کا مشن ومقصد عوام سے جوڑ رکھنا، اُن کی بھلائی اور تربیت کی فکر کرنا تھا، جس کے لیے اُنھوں نے سماج کے اُس طبقہ پر توجہ دی جو بڑی تعداد میں ہوتے ہوئے زندگی کی آسائشوں سے محروم تھا یعنی غریب، مزدور اور کسان، جن کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا، اِس نادار طبقہ کو اپنا بنا کر صوفیائے کرام نے اُمید اور آرزوؤں کی لڑی میں اِس طرح پرو دیا کہ وہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو امید ویقین کے جذبے سے سرشار محسوس کرنے لگا۔

تحریکِ آزادیِ ہند میں مسلم خواتین کا کردار

اسے ایک المیہ ہی کہا جائے گا کہ تاریخ نویسوں نے تحریکِ آزادیِ ہند میں عام ہندستانی خواتین کے شان دار کردار سے عموماً اور مسلم خواتین کے تابناک کردار سے خصوصاً مجرمانہ اغماض کیا ہے۔ تحریکِ آزادی ہند کے تذکروں میں ان کو وہ مقام ومرتبہ نہیں دیا گیا جس کی وہ واقعی حق دار تھیں۔ حیرت کی بات ہے کہ خاتون تاریخ داں منموہن کور نے بھی اپنی کتاب ''Women in India's Freedom Movement'' میں جنگِ آزادی میں شاندار کردار ادا کرنے والی ہزاروں مسلم خواتین میں سے صرف بیگم حضرت محل اور بی اماں کے تذکرے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ان کا کردار مردوں کے مقابلے میں کسی بھی حیثیت سے کم تر ہرگز نہیں رہا تھا۔ اس مجرمانہ اغماض کی ایک بڑی وجہ تعصب وتنگ نظری کے علاوہ مسلم مورخین کی غفلت اور مورخین کا ننانوے فیصد حصہ مردوں پر مشتمل ہونا ہے۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ تحریکِ آزادی ہند کے آغاز سے تقسیمِ ہندوپاک تک کے تمام مراحل میں مسلم خواتین کا اتنا ہی شان دار ہمہ جہتی کردار رہا ہے جتنا غیر مسلم خواتین کا۔ تاریخ یہ کیسے بھول سکتی ہے کہ 1857 کی جنگِ آزادی میں تھانہ بھون، مظفر نگر کی انقلابی شخصیت قاضی عبدالرحیم کی ماں اصغری بیگم نے بہ نفس نفیس شرکت کی اور شکست خوردگی کے بعد انگریزوں نے انہیں گرفتار کرکے زندہ جلا دیا؟ اسی طرح بی بی حبیبہ اور بی بی رحیمہ، جنہوں نے اپنی بے مثال شجاعت وبہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انگریزی فوج کی پیش قدمی روک دی تھی لیکن بوجوہ شکست کھائیں تو انگریزوں نے انہیں بھی گرفتار کرکے پھانسی پر چڑھا دیا؟ بتانے کی ضرورت شاید نہیں ہے کہ یہ اور ان جیسی خواتین جنہوں نے تحریکِ آزادی ہند میں اپنی دلیری، جاں سپاری، جذبہِ فدائیت اور ایثار وقربانی کی لازوال مثالیں قائم کیں، مورخین چاہے ان کے کارناموں کے تذکرے سے جتنا بھی صرفِ نظر کرلیں، لیکن ان کی داستانیں اس وقت تک زبان زد رہیں گی اور ان کے روشن کارناموں کا قصہ اس وقت تک دوہرایا جاتا رہے گا، جب تک سورج اور چاند کی گردش جاری رہے گی۔ ہاں! اگر معاملہ انہی چند ایک خواتین کی جان ومال کی قربانی کا ہوتا تو تاریخ اسے اپنے کسی سردخانہ میں ڈال بھی سکتی تھی، مگر ایک محتاط اندازے کے مطابق محض 1857 کی جنگوں میں آزادیِ وطن کی خاطر پیش کیے جانے والے 225 مسلم خواتین کی جانوں کے نذرانے کو وہ کیسے بھلا پائے گی؟ تاریخ اسے بھی نہیں بھلا سکے گی کہ جھانسی کی رانی لکشمی بائی، کستوربا گاندھی، سروجنی نائیڈو، وجے لکشمی پنڈت، کملا نہرو، سروپ رانی، رُکٹو رانی چینما، بھیکا جی کاما، سچیتا کرپلانی، ساوتری بائی پھُلے، لاڈو رانی زتشی، من موہنی زتشی، شیاما زتشی، جنک زتشی اور دیگر سیکڑوں غیر مسلم خواتین نے بھی تحریکِ آزادی ہند کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا ہے۔ راہِ حریت میں پیش کی گئی ان کی قربانیوں کو ہمیشہ خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا رہے گا۔ اسی طرح، انہی کے شانہ بشانہ چلتے ہوئے کبھی ان کے برابر اور کبھی ان سے زیادہ قربانیاں پیش کرنے والی مسلم خواتین کو بھی تاریخ کے صفحات میں جگہ ملتی رہے گی اور انہیں یاد کیا جاتا رہے گا۔ بیگم حضرت محل کی وطن پر جاں نثاری اور ایثار وقربانی سے بھلا کون صرف نظر کرسکتا ہے جنہوں نے اپنے سرتاج نواب واجد علی شاہ کی اودھ سے کلکتہ جلاوطنی کے بعد اودھ میں رہ کر فوج کی کمان سنبھالی، انگریزوں کو پے در پے شکست دے کر اسے ان کے چنگل سے آزاد بھی کرا لیا، مگر انگریزوں کی سازش اور اپنوں کی غداری کے سبب آخر کار شکست سے دوچار ہوکر نیپال میں پناہ گزیں ہوئیں، وہیں انتقال کیا اور وہیں مدفون بھی ہوئیں۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی اہلیہ رانی زینت محل نے اپنے سرتاج کے ساتھ ہی رنگون کی جلاوطنی کا عذاب جھیلا، وہیں انتقال کیا اور وہیں پہلوئے یار ہی میں دفن بھی ہوئیں۔ مولانا حسرت موہانی کی شریکِ حیات نشاط النساء ؒ بیگم کا وطن کی آزادی کی راہ میں ایثار اور صبر واستقلال بھی مثالی تھا۔ اس راہِ وفا میں ہزاروں مصائب نے آزمایا مگر ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی۔ انہوں نے اپنے شریکِ حیات مولانا موہانی کا اس وقت بھی حوصلہ بڑھایا جب وہ جیل میں قید بامشقت کی سزا جھیل رہے تھے۔ انہوں نے مولانا موہانی کو اپنے ایک خط میں مخاطب کرتے ہوئے لکھا: ''تم پر جو افتاد پڑی ہے، اسے مردانہ وار برداشت کرو۔ میرا یا گھر کا مطلق خیال نہ کرنا۔ خبردار! تم سے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ ہو''۔ علی برادران کی والدہ عابدی بیگم عرف بی اماں کے راہِ حریت میں صبر واستقلال اور ایثار وقربانی کی مثال بھی ابدی ہے۔ اگر کہا جائے کہ بی اماں ہندستان کی خنساء ؒ بنت تماضر تھیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ان کے دونوں بیٹے تو اس راہ کی صعوبتوں کو جھیل ہی رہے تھے مگر ان کی بہو رانی یعنی مولانا محمد علی جوہر کی اہلیہ امجدی بیگم کو بھی قید وبند کی مشقتیں جھیلنا پڑیں۔ مولانا آزاد کی زوجہ محترمہ زلیخا بیگم بھی کتنی باحوصلہ خاتون تھیں، اس کا اندازہ اس خط سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے 1942 میں مہاتما گاندھی کو اس وقت لکھا جب مولانا آزاد کو ایک سال کی سزا ہوئی تھی اور وہ جیل میں تھے۔ انہوں نے اس خط میں لکھا: ''میرے شوہر کو محض ایک سال کی سزا ہوئی ہے جو ہماری امیدوں سے بہت کم ہے۔ اگر ملک وقوم سے محبت کے نتیجے میں یہ سزا ہے تو اس کو انصاف نہیں کہا جائے گا۔ یہ ان کی اہلیت کے لیے بہت کم ہے۔ آج سے میں بنگال خلافت کمیٹی کا پورا کام دیکھوں گی''۔ 1832 میں لکھنو میں پیدا ہونے والی جنگ آزادی کی مجاہدہ عزیزان کا معاملہ بھی کم قابلِ رشک نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ امراؤ جان ادا کے ساتھ سارنگی محل میں رہتی تھیں۔ جب 4 / جون 1857 کو نانا صاحب نے ہندو اور مسلمانوں کو آزادیِ وطن کی خاطر متحد ہوکر لڑنے کی دعوت دی تو عزیزان نے گھر چھوڑ دیا اور تحریکِ آزادی میں شامل ہوگئیں۔ انہوں نے عورتوں کی ایک باضابطہ بٹالین تشکیل کی۔ وہ امورِ جنگ میں ماہر تھیں اور اپنی بٹالین کی عورتوں کو ہتھیار چلانا سکھاتی تھیں۔ وہ انگریزوں کی خفیہ معلومات جمع کرتیں اور مجاہدین آزادی تک پہنچایا کرتی تھیں۔ آخر کار وہ گرفتار کرکے جنرل ہیولاک کے سامنے پیش کی گئیں۔ ہیولاک نے ان کے سامنے پیش کش رکھی کہ اگر وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرلیں اور معافی مانگ لیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا مگر انہوں نے اس پیش کش پر شہادت کو ترجیح دی۔ ان کے علاوہ، زبیدہ داؤدی، رضیہ خاتون، ہاجرہ بیگم، صغریٰ خاتون، زاہدہ خاتون شیروانی، آمنہ قریشی، فاطمہ قریشی، بی بی اماتس سلام، ہزارہ بیگم، سعادت بانو کچلو، ارونا آصف علی، بیگم خورشید خواجہ، سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں کی بیٹی مہر تاج، خدیجہ بیگم، بیگم داؤدی، کنیز ساجدہ بیگم، منیرہ بیگم، عصمت آرا بیگم، امینہ طیب جی، بیگم سکینہ لقمانی، ریحانہ طیب جی، حمیدہ طیب جی، فاطمہ طیب علی، صفیہ سعادخاں، بی بی شفاعت النساء ؒ، کلثوم سیانی، فاطمہ اسماعیل، بیگم سلطانہ حیات انصاری، زہرہ انصاری وغیرہ وغیرہ بطور مشتے نمونہ از خروارے، محض چند ایسی مسلم خواتین کے اسمائے گرامی ہیں جن کی راہِ حریت میں دی گئی قربانیوں کا ہمارا یہ محبوب وطن ہندستان ہمیشہ زیرِ بارِ احسان رہے گا۔ انہیں اور ان جیسی دیگر بے شمار دخترانِ اسلام کو حریت کی راہِ وفا میں آبلہ پائی کرتے ہوئے جان کی بازی ہارنا پڑی، قید وبند کی سزا جھیلنا پڑی، جرمانہ اور مچلکہ بھرنا پڑا اور طرح طرح کی مصیبتیں اٹھانا پڑیں۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم جنگِ آزادی میں ان عظیم خواتین کی ناقابلِ فراموش حصہ داری کی تاریخ سے اپنی نئی نسلوں کو آشنا کرائیں کہ یہی ہماری طرف سے ان کے لیے بہترین خراجِ عقیدت ہے۔

مسلمانانِ ہند: آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد

مسلمانوں کی آمد سے قبل سرزمینِ ہند پر رجواڑوں کی شکل میں مختلف حکومتیں قائم تھیں، جو نہ صرف آپس میں برسر پیکار رہتی تھیں، بلکہ ان حکومتوں میں کمزور اور پسماندہ طبقات پر ظلم وستم بھی عروج پر تھا۔اس ظلم میں نہ صرف اربابِ اقتدار پوری طرح شامل تھے، بلکہ مذہبی ٹھیکیدار بھی پیش پیش تھے۔ منووادی نظام کے تحت اس ظلم کو پائیدار بنانے کے لئے سماج کو مختلف طبقات میں تقسیم کرکے سماج طریقے پر ان کی ذمہ داریاں بھی تقسیم کردی گئی تھیں۔اپنے ہی ہم مذہب انسانوں کے ایک طبقے کو شودر بنا کر گوناگوں ظلم واستحصال کا ایک ایسا نظام جاری تھا، جس کی پوری تاریخِ انسانی میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ایسے ہی تاریک دور میں مسلمانوں نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا، اور اپنے اعلی اخلاقی اوصاف سے یہاں کے دبے کچلے مظلوم باشندوں کے دل جیت لئے۔انہوں نے، ،الخلق عیال اللہ، ، کے تحت طبقاتی کشمکش کو ختم کرکے عملی طور پر مساوات قائم کیا، اونچ نیچ کے فرق کو مٹایا، عدل وانصاف کا ایک مستحکم نظام قائم کیا، یہاں کے مختلف رجواڑوں کو ختم کرکے اکھنڈ بھارت کی عملی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی، اور باشندگانِ ہند کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لئے اس قدر جدوجہد کی کہ اس ملک کو سونے کی چڑیا بنا دیا۔اور اپنی ہزار سالہ تاریخِ حکمرانی میں نہ صرف تاج محل، قطب مینار، لال قلعہ اور جامع مسجد جیسی عالمی شہرت کی حامل عمارتیں ورثے میں چھوڑیں، بلکہ تاریخی، علمی، فکری اور تہذیبی وثقافتی سطح پر ہندوستان کو وہ گراں مایہ دولت عطا کی، جس کا مکمل احاطہ کرنے سے تاریخ کے اوراق قاصر ہیں۔پھر وطن عزیز کی تاریخ میں وہ وقت بھی آیا، جب اس کی مقدس سرزمین پر انگریزوں کے ناپاک قدم آئے، سورت کی بندرگاہ پر وہ اترے، اور یہاں کی دولت وثروت اور خوش حالی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے، سونے کی اس چڑیا کو دیکھ کر ان کی نگاہیں خیرہ ہونے لگیں۔ چنانچہ انہوں نے سورت میں تجارتی کوٹھیاں قائم کیں، اور دن بدن اپنی تجارت کو پروان چڑھاتے رہے، جہاں گیر کے دربار میں انہوں نے تجارتی مراعات کی درخواست بھی پیش کی، اس وقت کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی، کہ یہ انگریز جو آج جہاں گیر کے دربار میں کھڑے ہوکر عاجزانہ طریقے پر تجارتی مراعات کی بھیک مانگ رہے ہیں، کل کو ان کی اولاد اسی جہاں گیر کے اخلاف کو قید وقتل کرکے اس کے تخت وتاج پر قبضہ کرلے گی۔وقت اپنی رفتار کے ساتھ چلتا رہا، جب تک اقتدار پر مغلیہ فرماں رواؤں کی گرفت مظبوط رہی، انگریزوں کی دال نہ گلی۔لیکن ????ء ؁ میں اورنگزیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد جب آپسی رسہ کشی اور خانہ جنگی کی وجہ سے مرکزی حکومت کمزور ہونے لگی، تو انگریزوں کو کھل کر کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا۔انہوں نے اپنی فطری عیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بال وپر نکالنے شروع کردیئے، مدراس اور کلکتہ وغیرہ میں موجود اپنی تجارتی کوٹھیوں کو قلعے میں تبدیل کرلیا، اور امراء ؁ کی باہمی چپقلش سے فائدہ اٹھاکر حکومت میں دخیل ہونے لگے۔سب سے پہلے ان کی سازشوں کو نواب علی وردی خان نواب بنگال نے محسوس کیا، اور ????ء ؁ میں باظابطہ فوج کشی کرکے انہیں شکستِ فاش دی، اور فورٹ ولیم پر قبضہ کرکے وہاں سے مار بھگایا۔ انگریز اپنے دوسرے بڑے مرکز ڈائمنڈ ہاربر میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، لیکن اس سے قبل کہ نواب کلی طور پر ان کا قلع قمع کرتا، پیغامِ اجل آپہنچا۔مگر اس دنیا سے جانے سے پہلے پہلے اس نے اپنے نواسے اور جانشین نواب سراج الدولہ کو اس فتنے کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کی وصیت کردی، چنانچہ نواب سراج الدولہ نے مسندِ اقتدار پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلے اسی چیز کی طرف توجہ مرکوز کی، اور نانا کی وصیت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ????ء ؁ میں میدان میں آئے۔ پلاسی کے میدان میں نواب کی افواج اور انگریزوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی، اور قریب تھا کہ انگریز شکست کھا کر میدان چھوڑ دیتے، کہ پہلے سے طے شدہ پلان کے تحت نواب کے کمانڈر انچیف میر جعفر نے غداری کردی۔ نواب سراج الدولہ کو اپنی عددی برتری اور اسباب وسائل میں تفوق کے باوجود شکست ہوئی، اور پھر وطن عزیز سے وفاداری کے جرم میں جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔اس کے بعد نواب بنگال، نواب اودھ، اور بادشاہ شاہ عالم کی متحدہ افواج ????ء ؁ میں انگریزوں سے مقابلے کے لئے بکسر کے میدان میں جمع ہوئیں، مگر یہاں بھی انگریز اپنی قلتِ تعداد کے باوجود اپنے نظم وضبط کی وجہ سیان متحدہ افواج پر بھاری رہے، اور انہیں ہزیمت سے دوچار کرکے بنگال، بہار اور اڑیسہ پر پوری طرح حاوی ہوگئے۔ پھر ????ء ؁ کے بعد جنوب ہند سے دو طاقتور شخصیتیں نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی شکل میں اٹھیں، انہوں نے سب سے پہلے یہ نعرہ دیا کہ، ، ہندوستان ہندوستانیوں کا ہے، ، اور انگریزوں کو وطن عزیز سے نکالنے کا عزم کرلیا، انگریزوں سے لگاتار کئی جنگیں لڑیں، اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ایک وقت وہ بھی آیا جب ان باپ بیٹوں کے فوجی دباؤ سے مجبور ہوکر انگریز مدراس کے اپنے آخری قلعے میں محصور ہونے پر مجبور ہوگئے، اور قریب تھا کہ ہندوستان اسی وقت ان کے ناپاک وجود سے ہمیشہ کے لئے پاک ہوجاتا، مگر صلح کی ان کی عاجزانہ درخواست کو نواب حیدر علی نے اپنی رحم دل طبیعت کی وجہ سے قبول کرلیا، اور یہ جاتے جاتے رہ گئے۔ ????ء ؁ میں نواب حیدر علی کے انتقال کے بعد ٹیپو سلطان کے زمانۂ اقتدار میں ایک بار پھر انہوں نے اپنے بال وپر نکالنے شروع کئے، سلطان نے ۱۷۸۴-۸۳ء ؁ میں بر وقت ان پر تادیبی کارروائی کرکے ان کو شکست فاش دی۔ جب انگریزوں کو یقین ہوگیا کہ ہم تنہا سلطان کا مقابلہ نہیں کرسکتے، تو انہوں نے اپنی تمام تر عیاری کو بروئے کار لاتے ہوئے جنوب ہند میں موجود اس وقت کی دو بڑی طاقتوں: نظام اور مرہٹہ کو اپنے ساتھ ملا لیا، اور اس طرح یہ متحدہ افواج سلطان کے مقابلے میں آئیں۔سلطان نے ہر ممکن کوشش کی کہ نظام اور مرہٹے انگریزوں سے الگ ہو جائیں مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوسکا، ؟؟؟ کی اس جنگ میں اپنے بعض امراء ؁ اور فوجی افسران کی غداری کی وجہ سے سلطان انگریزوں سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہوگئے، اور بطورِ تاوان تین کروڑ روپئے اور نصف علاقہ دینے کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے دو شہزادوں کو یرغمال بھی رکھنا پڑا۔سلطان اور انگریزوں کے درمیان تیسری بڑی اور آخری جنگ ????ء ؁ میں ہوئی، اس جنگ میں انگریزوں نے حسبِ سابق نظام اور مرہٹہ کے ساتھ مل کر سلطان کے دارالحکومت سرنگا پٹنم کا محاصرہ کرلیا، مگر اب بھی ان کو اپنی کامیابی کا صد فیصد یقین نہیں تھا، چنانچہ اپنی فتح کو یقینی بنانے کے لئے ٹیپو کے امراء ؁ میں ایک بار پھر غدار پیدا کرلئے، کمانڈر انچیف کو توڑ لیا، وزیر اعظم پورنیا سمیت متعدد امراء ؁ اور ارا کین دولت کو اپنا ہمنوا بنانے کے بعد یہ فوجیں آگے بڑھیں، اور قلعے پر یلغار کردیا، سلطان نے حتی المقدور مدافعت کی کوششیں کیں، مگر اپنوں کی غداری کی وجہ سے ہندوستان کا یہ شیرِ دل فرزند اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوسکا۔اور جب اس سے یہ کہا گیا کہ آپ یا تو انگریزوں سے صلح کرلیں یا میدان چھوڑ دیں، تو اس نے یہ تاریخی جملہ کہتے ہوئے کہ، ، شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے، ، شہادت کو گلے لگا لیا۔ جب متحدہ افواج کے کمانڈر انچیف جنرل ہارس کو سلطان کی شہادت کی خبر ملی، تو بھاگا بھاگا آیا، اور سلطان کی لاش دیکھتے ہوئے فرطِ مسرت سے چیخ اٹھا کہ، ، آج سے ہندوستان ہمارا ہے، ، کیونکہ اب وہ سنگِ گراں ہٹ چکا تھا جو اس کے توسیعی عزائم کی راہ میں حائل تھا۔ حقیقت یہی تھی کہ اگر ٹیپو سلطان اپنوں کی سازش کا شکار نہ ہوتے تو ہندوستان کی قسمت کا ستارہ کب کا چمک چکا ہوتا۔ پھر ????ء ؁ میں جب انگریز کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ خلق خدا کی، ملک بادشاہِ سلامت کا، اور حکم کمپنی بہادر کا، تو نازشِ ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا تاریخی فتوی دیا۔اس فتوے کے نتیجے میں سرفروشانِ وطن میں آزادیٔ وطن کا ایک طوفانِ بلاخیز پیدا ہوگیا، سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید اور ان کے رفقاء ؁ کی شکل میں قافلۂ حریت کی وہ مقدس جماعت وجود میں آئی، جس کی نظیر آخری صدیوں میں نہیں ملتی۔ اس قافلے کا مطمحِ نظر ہندوستان سے برطانوی سامراج کا خاتمہ تھا، چنانچہ اس نیک مقصد کی خاطر ہجرت کرکے انہوں نے آزاد قبائل کا رخ کیا۔کہ وہ فاتحین کی گذرگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک محفوظ مرکز بھی تھا، افراد کی دستیابی آسان تھی، اور جب لے سے بڑی بات یہ کہ پشت پر اسلامی مملکتوں کی ایک زنجیر تھی۔ مقصد تو انگریزوں سے نبرد آزمائی تھی مگر بدقسمتی سے پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے کارندوں کا ظلم بطورِ خاص مسلمانوں پر اپنی تمام حدوں کو پار کرچکا تھا، اور افہام وتفہیم کی تمام تر کوششیں رائیگاں ثابت ہورہی تھیں۔ چنانچہ سید احمد شہید اور ان کے رفقاء ؁ نے سب سے پہلے اس فتنے کا قلع قمع کرنا چاہا، کئی جنگوں میں انہیں شکست سے دوچار کیا۔ ادھر انگریز بھی اس جماعت کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اس کے مقاصد سے غافل نہیں تھے، چنانچہ انہوں نے ایک طرف غلط پروپیگنڈوں کے ذریعے آزاد قبائل کو ان مجاہدین سے برگشتہ کیا، تو دوسری طرف سکھوں کے ساتھ مل کر متحدہ جنگی حکمت عملی تیار کی، اور پھر ????ء ؁ کی وہ منحوس ساعت آئی جب بالا کوٹ کی پہاڑیوں پر ایک غدار کی مخبری کی بنا پر اس جماعت کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا، مجاہدین نے جم کر مقابلہ کیا، لیکن انہیں شکست ہوئی، سید احمد شہید، مولانا اسماعیل شہید سمیت اکثر مجاہدین شہید کردیئے گئے۔ اس جماعت کے بچے کھچے لوگ اپنے مقصد کی تکمیل کی خاطر ایک لمبے زمانے تک جدوجہد کرتے رہے، اور ہر طرح کی قربانیاں دے کر سرفروشی کی تاریخ میں ایک زریں باب کا اضافہ کیا۔ ۔اس کے بعد کا وہ خونی معرکہ پیش آیا، جس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، آخری مغل فرماں روا بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں لڑی جانے والی یہ جنگ نہایت قیامت خیز تھی، جنرل بخت خان کے زیر کمانڈ مجاہدین نے اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی تمام تر کوششیں صرف کردیں کہ غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر سرزمینِ ہند کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انگریز کے فتنے سے پاک کرلیا جائے۔ چنانچہ دہلی سمیت متعدد مقامات پر ہنگامۂ کارزار گرم ہوا۔تھانہ بھون میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے رفقاء ؁ سینہ سپر تھے، تو ہردوئی، شاہجہاں پور اور لکھنو وغیرہ میں شہزادہ فیروز شاہ، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، اور بیگم حضرت محل وغیرہ، اسی طرح دوسری جگہوں پر دوسرے مجاہدین برسرپیکار۔ لیکن قدرت کو ابھی ہندوستان کی آزادی منظور نہیں تھی، چنانچہ یہ جنگ آزادی بھی ناکام ہوئی، انگریز غالب آیا، اور ظلم وستم کا وہ سیاہ باب رقم کیا جس کے سامنے چینگیز وہلاکو کی داستانِ ظلم بھی پھیکی پڑگئی۔صرف تین دن میں چودہ ہزار علماء ؁ کو شہید کردیا گیا، چاندنی چوک سے لے کر خیبر تک کوئی درخت ایسا نہیں تھا، جس پر علماء ؁ کی لاشیں نہ لٹک رہی ہوں، بادشاہی مسجد لاہور میں ایک ایک دن میں چالیس چالیس علماء ؁ کو پھانسیاں دی گئیں، انہیں توپ کے دہانے سے باندھ کر توپ چلا دیا جاتا، جس سے ان کے جسم کے پرخچے اڑ جاتے تھے، انہیں زندہ آگ میں جلایا گیا، ہزاروں کو کالے پانی کی سزا سنائی گئی، بےشمار لوگوں کو نذرِ زنداں کیا گیا، ان کے املاک کو ضبط کر لیا گیا۔الغرض ظلم وستم کا ایک سیاہ دور جاری تھا، خود قائدِ حریت بہادر شاہ ظفر کو ہمایوں کے مقبرے سے گرفتار کرکے لال قلعہ میں نظر بند کردیا گیا، ان کے تین جوان بیٹوں کو جنرل ہڈسن نے گرفتار کرنے کے بعد خونی دروازے پر شہید کیا، ان کی نعشوں کو وہاں لٹکایا، اور سر کاٹ کر ایک طشتری میں رکھ کر بوڑھے بادشاہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ تحفہ قبول کیجئے، بادشاہ نے کپڑا ہٹایا تو سامنے بیٹوں کے کٹے ہوئے سر تھے۔مگر آفریں ہے بہادر شاہ ظفر پر، کہ انہوں نے آنسو بہانے کے بجائے فخریہ طور پر کہا، ، الحمدلل ؟ تیمور کی اولاد ایسے ہی سرخرو ہوا کرتی ہے، ، ؁ میں خاندانِ مغلیہ کے اس آخری تاجدار کو جلاوطن کرکے رنگون بھیج دیا گیا، جہاں ?ء ؁ میں انہوں نے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔اس کے بعد میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑتی ہے کیا یہ فقط درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کا ایک مرکز تھا؟ جی نہیں بلکہ اسے ????ء ؁ کی جنگ آزادی میں ناکامی کی تلافی کے لئے قائم کیا گیا تھا۔چناچہ اس کے سب سے پہلے طالب علم شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد میرے سامنے پڑی، اس کا مقصد یہ تھا کہ ????ء ؁ میں ناکامی کے نتیجے میں مجاہدین کی جو جماعت ختم ہوگئی ہے، اور آزادی کا ولولہ سرد پڑچکا ہے اس کو دوبارہ زندہ کیا جاسکے، اور مجاہدین کی نئی نسل تیار کی جاسکے۔

ٹیپو سلطان ایک انتہائی باصلاحیت، قابل، بے پناہ بہار اور دوربیں نگاہ حکمراں

جنگ آزادی کے عظیم سورما، برطانوی سامراج کے خلاف سینہ سپر ہونے والے اولین مجاہد آزادی ٹیپو سلطان کے حوالہ سے وقتاً فوقتاً یہ آواز اٹھائی گئی اور ان کے ہندو مسلم یکسانیت اور مذہبی رواداری عمل کو نشانہ بنایا گیا اور اس ہندوستان کے عظیم سپوت کے حوالہ سے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ اس نے مذہبی تعصب برتا تھا،، کسی نے ٹیپو سلطان کو برطانوی سامراج کے خلاف سینہ سپر ہونے والا عظیم حکمراں قرار دیا تو کسی نے اس عظیم سپوت کے تعلق سے اپنی مذہبی منافرت اور دریدہ دہنی کا ثبوت پیش کیا، اور اس کو جالم وجابر حکمراں قرار دیا اور اسے ہزاروں لوگوں کی موت کا ذمہ دار بتلایا، اور ٹیوٹر پر بعض لوگوں نے ٹیپو سلطان کے ذریعہ قتل، ٹارچر، ہندوؤں کا مذہب کروانے، مندوروں کو تباہ کرنے والے واقعات پیش کئے۔ ٹیپو سلطان کے ہندو مسلم عدم رواداری اور عدم یکسانیت کی بات در اصل یہ تاریخ سے عدم واقفیت اور تاریخ کے مطالعہ کی کمی یا خود اس عظیم جنگ آزادی کے سورما کے خلاف اس کے مسلمان حکمراں ہونے کی وجہ سے بے جا الزام ہے۔ ٹیپو سلطان ایک انتہائی باصلاحیت، قابل، بے پناہ بہار اور دوربیں نگاہ حکمراں تھا، اس ملک کو انگریزوں کی غلامی سے بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی، انہیں شکست بھی دی، لیکن انگریزوں کے دیگر علاقوں کے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ اتحاد اور خود اس کے وفاداروں کی غداری کے نتیجے میں میدان کارزار میں دیوانہ وار لڑتا ہوا جام شہادت نوش کیا، انگریزوں تا دمِ اخیر ٹیپو کو ہتھیار ڈالنے کو کہا تو انہوں نے اس وقت جو تاریخی جملہ کہا تھا وہ آج بھی بطور مثال اور بطور محاورہ مستعمل ہے ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیڈر کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے،'' اور ٹیپو کی موت پر انگریزوں نے جو جملہ کہا تھا وہ ان کے لئے سچ بھی ثابت ہوا ''اب ہندوستان ہمارا ہے، اب ہندوستان ہمارا ہے، اب ہندوستان ہمارا ہے'' اگر ٹیپو کے پشت میں غداری کا تلوار نہ اتارا جاتا تو یقیناً برصغیر کی پچھلے ڈیڑھ سو سال کی تاریخ جو ہے وہ اس سے مختلف ہوتی، انگریز مؤرخوں نے سلطان ٹیپو کو بدنام کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، ان کے خلاف طرح طرح سے ہندوؤں کو بھڑکایا، ان کی شہادت کے بعد بھی ان کی کردارکشی سے باز نہیں آئے، چنانچہ انہوں نے ہندو مسلم مذہبی منافرت کو ہوا دینے اور اپنے اقتدار کے ہوس کی تکمیل کے لئے ٹیپو کو ظالم وجابر، فرقہ پرست اور مندر شکن بادشاہ قرار دیا، جب کہ تاریخی حقائق اس کی مخالفت کرتے ہیں، ہم یہاں ٹیپو سلطان کی مذہبی رواداری کی چند ایک مثالیں تاریخ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں؛ تاکہ تمام برادران وطن کو پتہ چل سکے ٹیپو سلطان ایک عادل اور رعایا پرور حکمراں تھے۔

ٹیپو کی شبیہ خراب کرنے میں انگریزوں کا رول:

اولا جس شخص نے ہندو مسلم اتحاد کو خراب کرنے کے لئے ٹیپو سلطان کی شبیہ خراب کرنے کی کوشش کی وہ مشہور انگریز مؤرخ لیون بی رنگ تھا، اسی طرح کرک پیٹرک نے بھی اس کو عدم روادار قرار دیا ہے، ولکس تاریخ میسور میں اس کو کٹر قرار دیتا ہے (سیرت سلطان ٹیپو، الیاس ندوی :432) انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے متعلق علمی خیانت سے کام لیا ہے، ایک انگریز مؤرخ لکھتا ہے کہ صرف کورگ شہر میں سلطان نے 70 ہزار لوگوں کو قتل کیا، حالانکہ میسور تاریخ کا ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کورگ کی جملہ آبادی ?30 یا 35 ہزار سے زیادہ نہ تھی، اس میں بھی کئی ہزار مسلمان اور عیسائی شامل تھے (حوالہ سابق) مہاتما گاندھی نے بھی سلطان پر لگائے جانے والے اس الزام کو جھوٹ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ: ٹیپو کے اپنی رعایا کے ساتھ تعلقات نہایت دوستانہ تھے اور وہ ہندو مسلم اتحاد کا محرک تھا، یہ بات اگرچہ صحیح ہے کہ سلطان نے بعض ہندوؤں کے ساتھ سختی کی مثلا کرشنا راؤ اور ان کے بھائیوں کو پھانسی کی سزا دی اور بعض دوسرے لوگوں کو بھی موت کے گھاٹ اتارا؛ لیکن یہ سزائیں ان کو ہندو ہونے کی وجہ سے نہیں دی گئیں، بلکہ اس کا سبب ان کی نمک حرامی وغداری تھی، اس طرح کا انتقام اس نے خود بعض مسلمانوں سے لیا، مثلا انگریز سپاہیوں کے ساتھ زنا کرنے کی وجہ سے بعض مسلم خواتین کو قتل کر دیا، محمد قاسم کو غداری کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا، عثمان خان کشمیری کو پھانسی کی سزا دی تو کیا کوئی ان مسلمانوں سے سلطان کی سختی کی وجہ سے کوئی یہ کہنے کی جر? ت کر سکتا ہے کہ وہ خدانخواستہ اسلام دشمن بھی تھا، جہاں ایک طرف ہندو، مرہٹوں اور راجہ ٹرانکور سے اس کی جنگیں ہوئیں تو دوسری طرف مسلم حکمرانوں سے بھی اس کی کئی معرکہ آرائیاں ہوئیں، مذہبی تعصب وتشدد کا الزام اس پر اس وقت درست ہوتا جب وہ غداری وبغاوت کی سزا میں مسلمانوں کو تو معاف کر دیتا اور ہندوؤں وعیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا، یہاں چند مثالیں ایسی پیش کی جاتی ہیں جس کے سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر سے بحیثیت ایک مسلم حکمران کے سلطان ٹیپو کے لئے اس کے جواز پر بحث بھی کی جا سکتی ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مذہبی رواداری میں بعض مواقع پر اسلامی حدود سے بھی آگے بڑھ گیا تھا۔

(1)۔اعلی مناصب پر ہندو افسران:

ہندو برہمن ''پورنیا' سلطان کی شہادت تک پوری سلطنت خداداد کا وزیر خزانہ اور اختیارات کے اعتبار سے وزیر اعظم میر صادق کے بعد سلطان کا نائب ت ?، ''لالہ مہتا برائے سبقت'' جو ہندو برہمن تھا، سلطان کا ذاتی منشی اور خاص معتمد تھا، یہ اردو اور فارسی کا قادر الکلام شاعر تھا، سلطان کے ہندو معتمدین میں سے جو چند لوگ آخر تک اس کے وفادار رہے اس میں ''ہری سنگھ'' میسور کی فوج کا افسر اعلی تھا، اس کا بھائی ''نرسنگا راؤ'' بھی حکومت کا ایک اعلی عہدیدار تھا، کورگ کا فوجدار ایک برہمن شخص تھا، ''سری نواس راؤ'' اور ''اپاجی رام'' کو عام طور پر ٹیپو اپنا نمائندہ بنا کر سفارتی مشن پر بھیجتا، ''راماراؤ'' ایک سوار دستہ کا کمانڈر تھا، ملیبار میں نائروں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے سلطان نے ''سری پت راؤ'' ہی کو بھیجا تھا، ایک دوسرے مرہٹہ سردار ''سیواجی'' کی کمان میں تین ہزار سپاہیوں کی ایک مستقل فوج بھی رہتی تھی، سلطان کے دربار میں سرکاری خطوط لکھنے والے کئی منشیوں میں ایک منشی ''نرسیا'' بھی تھا، دیہاتوں کی پنچایتوں میں اکثر سرکاری نمائندگی ہندو ہی کرتے تھے، کیرلا میں ساگوان کی لکڑی کی کٹائی کا ٹھیکہ پہلے ایک مسلمان کو دیا گیا پھر بعد میں یہ ٹھیکہ ہندو کو دیا گیا، ہندوؤں کے مذہبی تہوار دسہرہ میں سلطان اپنے تمام اعلی افسران کے ساتھ نہ صرف شریک ہوتا؛ بلکہ حکومت کے خزانہ سے اس کے اخراجات کے لئے ایک بڑی رقم بھی فراہم کرتا تھا، ان تمام مثالوں سے ٹیپو کی رواداری کا خوب علم ہوتا ہے۔

(2)۔مندروں اور اس کے سوامیوں کا احترام:

سلطان کے دل میں ہندوؤں کے مندروں اور اسکے سوامیوں کا بڑا احترام تھا، 1791ء میں مرہٹہ درانداز وں نے رگھوناتھ راؤ کی قیادت میں سلطنت خداداد پر حملہ کے دوران سرینگیری کے مندر کی بے حرمتی کی، اس کی قیمتی املاک کو لوٹ لیا، سونے سے بنی قیمتی پالکی اور جانوروں وغیرہ کو بھی لے گئے، سارہ دیوی نام کی مورتی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر باہر پھینک دیا، کئی برہمنوں کو بھی اس حملہ میں پکڑ کر قتل کیا گیا، یہاں تک کہ مندر کے سوامی اور متولی شنکر گرو اچاریہ وہاں سے بھاگ کر شہر کارکل میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، وہاں انہوں نے ٹیپو کو ایک شکایتی خط لکھا اور مندر کی بے حرمتی کی تفصیلات سے آگاہ کر کے مالی امداد کی درخواست کی، اس وقت اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ٹیپو نے جو جواب شنکر گرو اچاریہ کو موصول ہوا اور وہ خط میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائرکٹر راؤ بہادر نرسمہا اچاریہ کو 1916ء میں سرینگری کے مندر میں ملا تھا، خط کا مضمون کچھ یوں ہے:''

''جو لوگ مقدس ومتبرک مقامات کی توہین وبے حرمتی کرتے ہیں وہ اس دنیا ہی میں بداعمالیوں کا بدلہ پائیں گے جیسا کہ شاعر نے کہا کہ لوگ گناہ تو ہنس ہنس کر کرتے ہیں؛ لیکن اس کا بدلہ رو رو کر بھگتے ہیں مندر کے سوامیوں کے ساتھ بدسلوکی کرنا خود اپنی نسل کی تباہی کو دعوت دینا ہے، جو لوگ ہمارس سلطنت میں داخل ہو کر ہماری رعایا کو ستا رہے ہیں ان سے ہم خود نبٹ لیں رہے ہیں، آپ کی شخصیت قابل احترام اور دنیا سے بے نیاز ہے، آپ ہماری سلطنت کی بقاء وحفاظت اور دشمنوں کی ہلاکت کے لئے دعا کیجئے، آپ کو حسب ضرورت ہمارے زیر قبضہ دیہاتوں سے کسی بھی چیز کے لینے کا اختیار ہے،'' اس خط کے ساتھ اس علاقہ کے گورنر کو سلطان نے یہ حکم بھی بھیجا کہ وہ شنکر اچاریہ کی خدمت میں فوراً اس کی طرف سے دو سو اشرفیاں مع غلہ پیش کرے اور سرکاری مصارف پر سارا دیوی نام کی مورتی کو احترام کے ساتھ دوبارہ اس کی جگہ نصب کیا جائے اور اس تقریب کے موقع پر ایک ہزار فقراء کو کھانا بھی کھلا یا جائے (سیرت سلطان ٹیپو شہید: 432-435)

(3) مندروں کو نذرانے:

تعلقہ ننجن گڑھ کے ایک گاؤں کلالے کے لکشمی کانتھ مندر میں چاندی کے چار پیالے، ایک پلیٹ اور ایک اگلدان اب بھی موجود ہے جو ٹیپو نے اس مندر کو نذر کئے تھے، اسی شہر کے سری کنیشور مندر کو سلطان نے ایک ایسا مرصع پیالہ بھی دیا تھا جس کے نچلے حصے میں پانچ قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے، سیلکوٹ کے نرائن سوامی مندر کو بھی قیمتی جواہرات سے جڑے ہوئے کچھ برتن ایک نقارہ اور بارہ ہاتھی اس نے روانہ کئے تھے، خود سری رنگاپٹنم کے رنگناتھ مندر میں ایک کافور دان اور چاندی کے سات پیالے اس کے دیئے ہوئے اب بھی موجود ہیں، ڈنڈیگل کے قلعہ پر جب سلطانی افواج نے حملہ کیا تو اس نے ان کو یہ حکم دیا کہ چونکہ سامنے راجہ کا مندر موجود ہے اس لئے پیچھے سے گولہ باری کی جائے، ملیبار میں گروایور پر قبضہ کے دوران جب مسلمان سپاہیوں نے وہاں کے مندر کو آگ لگانے کی کوشش کی تو اس نے ان کو نہ صرف سزائیں دیں؛ بلکہ اسی وقت مندر کی مرمت بھی کروادی، اس کی مزید بے شمار مثالوں کے لئے ملاحظہ کیجئے (سیرت سلطان ٹیپو: 428-429)

(4) شاہی محل کے قریب مندر:

بچپن میں ایک درویش کی طرف سے اس کے حق میں کی گئی پیشن گوئی کے پورا ہونے کے بعد جب سلطان تخت میسور کا وارث بنا تو اس نے اس درویش سے کئے گئے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے محل کے قریب مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا؛ چونکہ محل کے قریب سری رنگناتھ کا مندر پہلے سے موجود تھا؛ اس لئے اسی سے متصل مسجد کی تعمیر کے لئے اس نے سب سے پہلے ہندو سوامیوں اور عوام سے اس کی اجازت حاصل کی، ان کی مرضی کے بغیر اس جگہ مسجد کی تعمیر کو وہ صحیح نہیں سمجھتا تھا، ان سے اجازت ملنے کے بعد اس نے اس جگہ مسجد اعلی کی بناء رکھی، کبھی اگر وہ چاہتا تو اپنی طاقت کے بل بوتے پر بادشاہ ہونے کی وجہ سے ان کی اجازت کے بغیر ہی اس جگہ مسجد بنا سکتا تھا، مسجد اعلی سے متصل مندر رنگناتھ مندر کے علاوہ جو اس کے محل سے صرف ایک سو گز کے فاصلہ پر تھا قلعہ میں نرسمہا اور گنگادھر یسوا نام کے دو اور مندر بھی موجود تھے جہاں، روزانہ صبح وشام گھنٹیوں کی آواز سلطان کے محل میں پہنچتی تھی؛ لیکن اس نے کبھی ان کے ان مذہبی اعمال کی ممانعت نہیں۔

(5) مندروں کو جائیدادیں:

ڈاکٹر سی کے کریم کی کتاب (underkerala tipu) کے حوالہ سے محمد عبد اللہ بنگلوری نے اپنی کتاب ٹیپو کے تذکرے مختلف ادوار میں لکھا ہے کہ صرف کیرالا کے جنوبی ضلع کے ایک تعلقہ کے ساٹھ مندروں کو سلطان نے سرکاری خزانہ سے سالانہ وظیفے جاری کئے تھے، گرویاریا کے مندر کو ہی چھ سو ایکڑ قابل کاشت زمین بطور انعام دی گئی تھی، ملیبار کے مندروں و برہمنوں کو جو زمینیں بغیر سرکاری لگان کے ٹیپو نے دی تھیں، ان کی جو تفصیلات محب الحسن صاحب نے اپنی کتاب تاریخ ٹیپو میں نقل کی ہے وہ کچھ اس طرح ہے (1) کالی کٹ کے قبضہ امسوم کے ترکنٹیشورو تاکوام کنعاؤ مندر کے لئے 195 ایکڑ زمین (2) پونانی کے گورویا مندر کے لئے ۱۴۰۵ ایکڑ زمین (3) چیلم برا تعلقہ اراند کے مانور مندر کے لئے 173 ایکڑ زمین (4) پونانی کے ترو انچکموم مندر کے لئے 212 ایکڑ زمین، (5) پونانی کے نمودری مندر کے لئے 1551 ایکڑ زمی، سلطنت کے وزیز خزانہ ''پورنیا'' کا خود کہنا تھا کہ سرکاری خزانہ سے مندروں کو سالانہ 959193 پگوڈا مالی امداد دی جاتی تھی، جب کہ مساجد کے لئے یہ امداد اس سے بہت کم تھی۔

مجموعی طور پر سلطان کی ہندو رعایا نے اس کے ساتھ محبت وعقیدت کا جو سلوک کیا، اس کی مثال ملک کے کسی دوسرے مسلم حکمراں کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں، ہندوؤں کی اکثریت نے آخری وقت تک اس کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا 4 مئی 1799 میں شہادت کے دن سلطان کی لاش کے آس پاس سینکڑوں ہندو خواتین لاشیں ملیں جس میں بعض نوجوان لڑکیاں بھی پائی گئی خود انگریز افسران نے جب یہ ماجرا دیکھا تو ہندو رعایا کے دلوں میں بھی اپنے مسلم حکمراں کے لئے عقیدت کے یہ جذبات دیکھ کر انہیں خود حیرت ہوئی جب سلطان کا جنازہ اٹھا تو راستہ میں ہندو عورتیں ماتم کرتی ہوئیں اپنے سروں پر مٹی ڈال رہی تھیں، محاصرہ دار السطنت پر کئی برہمنوں نے سلطان کی فتح کے لئے اپنی مذہبی رسومات کے مطابق دن بھر کا روزہ رکھا تھا، اگر سلطان کا سلوک ان ہندوؤں کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں ہندو ایک مسلم حکمراں کے لئے اپنی جانیں تک قربانی کرتے، اگر اس کے خلاف عام ہندوؤں میں ناراضگی پائی جاتی تو انگریزوں یا مرہٹوں کے لئے اپنے مقاصد کے خاطر ہند و مذہب کے حوالے سے ان سب کو سلطان کے خلاف اجتماعی بغاوت کے لئے اکسانا بہت آسان تھا؛ لیکن پوری سلطنت خداداد کی تاریخ میں اس قسم کا کوئی واقعہ کسی متعصب انگریز مؤرخ کی کتاب میں نہیں ملتا، یہی وجہ ہے کہ سلطان کے غداروں کی فہرست میں ہندوؤں کی تعداد سلطنت میں اکثریت میں ہونے کے باوجود ان کی آبادی کے تناسب سے مسلمانوں کے مقابلہ میں کم تھی۔

ان تمام تاریخی حوالہ جات سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے آج ہمارے برادران وطن کو ٹیپو کے تعلق سے جو غلط فہمیاں ہیں وہ انگریزوں کے ٹیپو اور اس کی جراء ت وہمت اور اس کی مذہبی رواداری اور ہندو مسلم اتحاد سے بغض وعناد اور اس کی وجہ سے اپنی حکومت سازی میں جو رکاوٹیں در پیش ہو رہی تھیں ان کا سب کا نتیجہ تھا، جس کی رو میں بہہ کر اس عظیم مسلمان حکمراں اور سامراج کو

آزادی وطن کے لیے مسلمانوں کی سرفروشانہ جدوجہد

انگریزوں کی جابرانہ وظالمانہ حکومت اور ان کے ظلم واستبداد کے خلاف غیور وباحمیت مسلمانوں نے روزِ اول ہی سے جو قربانیاں پیش کیں، ان سے مزاحمت اور مقابلہ جاری رکھا اور پھر یہ مزاحمت کا سلسلہ ہوتے ہوتے ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا جو ا?گے چل کر ہندوستان کی ا?زادی کا پیش خیمہ ثابت ہوا، مسلمانوں نے انگریزوں کی ایک صدی پر مشتمل حکمرانی کو کبھی بھی بنظر تحسین نہیں دیکھا، انہوں نے ہمیشہ ہی مختلف تحریکات، تنظیموں اور براہِ راست میدانِ کارزار میں ان سے تیر وتفنگ سے مقابلہ ا?رائی کے ذریعہ اپنی جدوجہد اور ملک ووطن کی ا?زادی کی لو اور شمع جلائی رکھی، یوں تو اس تحریک ا?زادی میں ہر ہندوستانی نے بطور محبّ وطن کے شامل اپنا کردار ادا کیا، لیکن مسلمانوں کی مخلصانہ وسرفروشانہ جدوجہد کی داستاں ایک انفرادی حیثیت رکھتی ہے، ہمارے اسلاف اور ا?باء ؒ واجداد نے ہندوستان کی عظمت رفتہ کی بحالی اور اپنے خون وپسینے سے سے سینچے ہوئے چمن کی ا?بیاری اور سفید فام قوم کو اپنے ملک ووطن سے بیدخل کرنے کے لئے خون کے ا?خری قطرے تک جو نذرانہ پیش کیا، دوسروں قوموں نے شاید پوری جنگِ ا?زادی میں اتنا پسینہ بہایا ہو، ۱۸۵۷ ?ء ؁ کے بعد نصف صدی تک انگریزی سامراج کو شکست دینے کے لئے مسلمان صرف جنگِ ا?زادی کے میدان میں زورا?زمائی کرتے رہے، ایسا کیوں نہ ہوتا؟ جس ملک کے نوک وپلک کو سنوارنے اور سجانے اور اور اس کو خوش رنگ اور خوبرو بنانے بنانے میں ہم نے ہی دس صدیوں پر مشتمل دور حکمرانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اس کی عظمت پر بٹہ لگے اور اس پر کوئی دوسری قوم دوسرے ملک سے ا?کر قابض ہو جائے اور اس پر حکمرانی کرے اس کو مسلمان کیوں کر برداشت کر سکتے تھے؟

ا?ج بھی ہندوستان کے چپے چپے میں بلند وبالا، فلک بوس، فن تعمیر کی عظیم شاہکار عمارتیں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یاد دلا رہی ہیں، اس چمن کا ذرہ ذرہ اور گوشہ گوشہ زبان حال سے اس ملک کے وقار کو بلند کرنے میں اور یہاں کی مٹی کو سونا بنانے میں مسلمانوں کے کردار کا بین اور واضح ثبوت پیش کر رہا ہے، ملک کے گوشہ گوشہ اور چپے چپے میں ہر جگہ پر اسلامی طرزِ تعمیر کی شاہکار عمارت ضرور ایسی ملے گی جو مسلمانوں کی طویل اور عظیم حکمرانی کی یاد دہانی کراتی ہے؛ لیکن ا?ج صورتحال یہ ہے کہ مسلمانوں اور خصوصا علمائے دین نے ہندوستان کی ا?زادی میں جو کردار ادا کیا اس کو پسِ پشت ڈالا جا رہا ہے، سوائے چند مسلمان رہنماو?ں کے جنگ ا?زادی عظیم مسلمانوں سورماو?ں کا نام تک لینا گوارا نہیں کیا جاتا اور یہ ان کا تذکرہ نہ کیا جانا اس لئے نہیں ہے کہ موجودہ سیاسی قائدین کو اس کا علم نہیں ہے؛ بلکہ سبھی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے اس ملک کی ا?زادی میں بالکل ناقابل فراموش کردار رہا ہے، اس کے تذکرے کے بغیر تاریخِ ا?زادی? ہند کی تاریخ تشنہ اور ناتمام ہی رہے گی؛ لیکن یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ یہ ملک مسلمانوں کا نہیں؛ بلکہ یہاں کے حقیقی باسی تو صرف ہندو قوم ہے، شاید انہوں نے ہندوستان میں اسلام کی ا?مد کی تاریخ کو بھلا دیا ہے، یا اس سے تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں، اسلام کی ا?مد کے بعد اس ملک کے باشندوں نے مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی تعلیمات سے متاثر ہو کر برضا ورغبت بغیر کسی جبر واکراہ کے دامنِ اسلام میں پناہ لی ہے، یہاں کے مسلمان خود یہی کے باسی ہیں، جہنوں نے انگریز کو یہاں سے بھگانے اور اس ملک سے بے دخل کرنے کے لئے ایک صدی پر مشتمل طویل جدوجہد کی ہے، بہر حال یہ مسلمان حکمرانوں ہی کی ناعاقبت اندیشی تھی کہ انہوں نے انگریزوں کو بغرض تجارت یہاں قدم جمانے کا موقع دیا، جو ا?ہستہ ا?ہستہ اس ملک پر قابض اور حکمراں ہو گئے، لیکن مسلمانوں نے ان کی اس ملک میں بے جا مداخلت کو ہرگز برداشت نہیں کیا، اور انہوں نے انگریزوں کے خلاف ہر طرف سے جہاد کے محاذ کھول دیئے، اور خصوصا علماء ؒ نے عوام کے درمیان ا?زادی کی جدوجہد کے لئے ہوش جگایا اور مختلف تحریکوں اور دوبدو مقابلہ کے ذریعہ انگریزوں کو پسپا کرنے کی پوری کوشش کی، حضرت شاہ ولی محدث دہلوی سے لے کر حضرت مولانا حسین احمد مدنی تک ایک طویل تاریخ ہے جس میں علمائے ہند کے زیر نگرانی جدوجہدا?زادی کے پروانوں نے بے دریغ اپنی جانوں کی قربانی پیش کی۔

جس میں ا?زادی? ہند کا صف اول کا سپہ سالار شہید وطن شیر ہند شیر میسور حضرت ٹیپو سلطان? شہید ہیں، جن کے ذکر کے بغیر ا?زادی? ہند کی تاریخ نامکمل رہتی ہے، جنہوں نے ہندوستان میں انگریزوں کا جینا حرام کر دیا تھا، وہ نڈر سلطان وسپہ سالار تھے، جنہوں نے گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی کو ترجیح دی، جن کی پیدائش ۱۷۵۰ء ؁ میں ہوئی جن کی تربیت ان کے والد بزگوار حضرت حیدر علی? کے زیر سایہ ہوئی، جنگی فنون جنگ کی مشق ان کے استاذ رفیق حیدر علی? سالار غازی بابا شہید? نے کی، جن کی ساری زندگی انگریز حکومت کے خلاف نبردا?زما رہی، ٹیپو سلطان? شہید نے بھی اپنے والد حیدر علی? اور استاذ غازی بابا شہید? کی طرح ساری زندگی ا?زادی? ہند کے خاطر قربان کی، جنہوں نے کئی معرکوں میں انگریزوں کو شکست فاش دی، انگریزوں کے پاو?ں ہندوستان سے اکڑنے لگے، ان حالات میں ان ہی کے نمک خوار غدار اور دغاباز نکلے جنہوں نے انگریزی حکومت سے ملی جلی شازش رچی جس کے خاطر سلطان شہید ?۱۷۹۹ء ؁ میں ا?خر دم تک انگریزوں سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا، وہ ا?زادی? ہند کے صف اول کے شہید تھے، جن کے خون کو ہندوستان کی زمین کبھی فراموش نہیں کر سکتی، جو سرزمین ہند کے لعل وگوہر تھے۔

اسی طرح سے بہت سارے علماء ؒ کرام ومسلمانانِ نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، پھانسیوں پر چڑھائے گئے، تختہ? دار کو سینے سے لگایا، مسلمانوں کو جلا وطن کیا گیا، حبسِ دوام بعبور دریائے شور جو پھانسی کی سزا سے زیادہ اذیت رساں تھی، کالے پانی بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ مجرم اپنے وطن، اپنے گھر، اپنے دوست واحباب، عزیز واقارب، اپنے خاندان اور بیوی بچوں کے لئے زندہ رہتے ہوئے بھی مرجاتا تھا اور ایسے گھٹ گھٹ کر زندگی گذارنے پر مجبور ہوتا تھا کہ موت کو اس زندگی پر ترجیح دینے لگتا تھا، ہندوستان کے مشاہیر علماء ؒ ومشائخ، رو?ساوامراء ؒ جن کی راہوں میں عوام ا?نکھیں بچھاتے تھے، جن کے اعزاز واحترام کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں میں ان کو سر اور ا?نکھوں پر بٹھایا جاتا تھا، خوش حال گھرانوں کے افراد جن کی خدمت کے لئے نوکر دست بستہ کھڑے رہتے تھے، ایسے معزز رو?ساء ؒ علماء ؒ ومشائخ کو جزیرہ? انڈومان، کالے پانی کی مسموم فضا میں بھیجا جاتا، جہاں ان سے ذلیل کام لیا جاتا، یہ جزائر جدوجہدا?زادی کے پروانوں کے بڑے بڑے قید خانہ تھے، جس میں چہار دیواریاں اور فصلیں تو نہیں تھیں؛ لیکن چاروں طرف حدِ نگاہ تک سمندر لہریں مارتا تھا، ان جزیروں میں ان معزز شخصیتوں سے لکڑیاں کٹوائی جاتی تھیں، سڑکیں بنوائی جاتی تھیں، نالیاں اور گندگیاں صاف کرائی جاتی تھیں، کوڑے کرکٹ کی ٹوکریاں ان کے سروں پر لاد کر پھنکوائی جاتی تھیں، مولانا فضل حق خیرا?بادی جو علمی دنیا میں بے تاج کے بادشاہ تسلیم کئے جاتے تھے؛ لیکن جب ایک شخص جزیرہ انڈومان میں ان کی ملاقات کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ علامہ غلاظت کی ٹوکری اٹھائے ہوئے پھینکنے کے لئے جارہی ہیں، جزائرے انڈومان میں تمام مسلمان قیدیوں سے اسی طرح کے جبری کام لئے جاتے تھے، انگریزوں نے کتنے مسلمان مجاہدین ا?زادی کو جزیرہ انڈومان بھیجا اور کالے پانی کی سزا دی، ان کی فہرست بتانی مشکل ہے، مگر تاریخ کے جستہ جستہ واقعات کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار سے کسی طرح کم نہیں تھی (تحریک ا?زادی اور مسلمان: ۶۳)

ان مسلمان مجاہدین ا?زادی کے لئے جزیرہ? انڈومان کے حبس دوام کی سزا سے بڑھ کر یہ دردناک عذاب یہ? تھا کہ جو ان مجاہدین ا?زادی کو بھگتنا پڑا جو ان کی لاکھوں لاکھ کی جائدادوں کو مفت کے دام حکومت نے نیلام کر کے ان کے معصوم بچوں، پردہ نشیں، عفت ما?ب خواتین کو نانِ شبیہ کا محتاج بنا دیا، یہ تصور ہی مجاہدین ا?زادی کے لئے بڑا روح فرسا تھا، انہوں نے اپنی پھانسی کا حکم سن کر مسکرا دیا تھا، لیکن ان کی ا?ل واولاد کو در در بھیک مانگنے پر مجبور کر دینا خون کے ا?نسو رلا گیا جیسا کہ عظیم ا?باد کے امیر کبیر مولانا احمد اللہ صاحب کے ساتھ ہوا کہ ان کی ساری جائیداد پر انگریزی حکومت نے قبضہ کر کے ان کے خاندان کے ایک ایک فرد کو عین عید کے دن گھر سے اس حال میں نکال باہر کیا کہ اکی سوئی بھی اٹھانے کی اجازت نہیں دی (تحریک ا?زادی اور مسلمان: ۳۹)

بہر حال ۱۹۰۰ء ؁ تا ۱۹۱۷ء ؁ تک جن مسلمان علماء ؒ نے خصوصا عوام کے ہمراہ جدوجہدا?زادی میں حصہ لیا، اور اس کے خاطر کئی دفعہ جیل کی صعوبتیں برداشت کیں، ان کے ناموں کی فہرست طویل ہے، مولانا محمد جعفر تھانیسری، مولانا فضل حق خیرا?بادی، حاجی امداد اللہ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مفتی کفایت اللہ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا سعید احمد دہلوی، عطاء ؒ اللہ شاہ بخاری، مولانا عبد الحلیم صدیقی، مولانا شاہ عبد الرحیم رائپوری، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی، مولانا محمد میاں، اور مولانا ابوالکلام ا?زاد، ڈاکٹر ذاکر حسین وغیرہ کی کے نام سرفہرست ہیں۔

بیسوی صدی کے ا?غاز سے سیاسی بیداری شروع ہوئی، تعلیم یافتہ طبقہ میں غلامی کی ذلت اور ا?زادی کی قدر وقیمت کا احساس ہوا، اس میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی اور سکھ بھی اور بعض دوسری اقلیتیں بھی؛ لیکن غدر ۱۸۵۷ء ؁ کے بعد سے پچاس پچپن سال بعد تک وہ سرفروشانہ جذبہ عام نہ ہوا تھا کہ انسان انجام سے بے نیاز ہو کر اس کانٹوں بھر وادی میں قدم رکھ دے؛ کیوں کہ اس دور میں ا?زادی کا لفظ زبان سے نکالنے کا مطلب یہ تھا کہ انگریزی مظالم کی اذیتوں سے انسانوں کو خون اگل اگل کر مرنا پڑے گا، پھانسی پر چڑھا دینا، صف میں کھڑا کر کے گولی مار دینا تو برطانوی حکومت کے یہاں معمولی سزائیں? تھیں وہ اس سے زیادہ دردناک اور اذیت ناک سزاو?ں پر یقین رکھتے تھے، ان سزاو?ں کو بھگتنے کے لئے ابھی برادران وطن میں جرا?ت وہمت نہیں پیدا ہوئی تھی، وہ ابھی انگریزی تعلیم حاصل کر کے برطانوی حکومت میں معزز عہدوں کی تلاش میں سرگرداں تھے، وفاداریوں کا سرٹیفکٹ لے رہے تھے، البتہ برادران وطن میں سے چند سر پھرے نوجوان ضرور ایسے تھے جنہوں نے جنہوں نے انگریزوں پر قاتلانہ حملہ کر کے ان سے اپنی نفرت اور بغض کا اظہار ضرور کر دیا تھا؛ لیکن ایسے نوجوانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی، برادران وطن کا عام طبقہ ابھی مصائب کے اس سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے ساحل پر ہی کھڑا سوچ رہا تھا؛ لیکن مسلمان اس قدر مصلحت اندیش اور عواقب پر نظر رکھ کر اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی قوت برداشت اپنے اندر نہیں پاتا تھا بمصداق: بے خطر کود پڑا ا?تش نمرود میں عشق۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۱۵ ?ء ؁ تک جنگ ا?زادی کے میدان میں صرف مسلمان ہی صف ا?را تھے البتہ دستوری جنگ کے نقشے ضرور بنائے جانے لگے تھے، کانگریس پر ترقی پسندوں کا قبضہ شروع ہو چکا تھا، کمیونسٹ پارٹی کے چند جیالے نوجوان بھی میدان میں ا?رہے تھے، لیکن ابھی تک ا?زادی حاصل کرنے کا کوئی واضح راستہ دریافت نہیں ہوسکا تھا کہ کھلے بند کوئی ایسی تنظیم بنائے جائے کہ اس کے پلیٹ فارم سے حکومت کی زیادتیوں پر برملا حرف گیری کی جاسکے، جلسے جلوس اور احتجاجی مظاہرے اور دھرنے اور بھوک ہڑتال اس طرح کے طریقے تو بعد میں دریافت ہوئے، لیکن ان کے موجد بھی مسلمان ہی تھے (تحریک ا?زادی اور مسلمان: ۱۶۹) ۱۹۱۹ ?ء ؁ میں جب حکومت نے ''قانون تحفظ ہند'' کے نام سے ایک مستقل قانون بنایا، اس قانون کے تحت ا?زادی اور حریت کے خواہاں جیالوں کے خلاف کے خلاف سخت قوانین اور احکامات جاری کئے گئے جیسے نظر بند کرنا، اخبار نویسی، پرچے اور پمفلٹ کی تقسیم اور جلسے جلسوں میں شرکت پر پابندی، مشتبہ شخص وقتا فوقتا اپنے موجودگی کی رپورٹ پولیس کو دیتا رہے، گرفتاری، خانہ تلاشی، بطور تعزیر کے حراست، اس قسم کے ظالمانہ قوانین کو برداشت کرنا ہندوستانیوں کے بس میں نہیں تھا، زبان بندی کا حکم پہلے سے نافذ تھا، اب ہر طرح کی پابندی، نہایت غور وفکر کے بعد ہندوستان کی دو عظیم شخصیتوں نے ملک کو ایک نئے طریقہ? جنگ سے واقف کرایا جسے عقل نے تو تسلیم نہیں، ان دو شخصیتوں میں سے ایک گاندھی جی تھے اور دوسری شخصیت مولانا ابوالکلام ا?زاد کی تھی، اس طریقہ? جنگ کا نام ''ستیہ گرہ'' رکھا گیا (سچائی کا عہد) یعنی ہم ان ظالمانہ قوانین کو قبول نہیں کریں گے چاہے پولیس کی لاٹھیاں برسیں یا ان کی گولیاں ہمارے سینوں کو چھلنی کر دیں، جس کا ہر شخص نے حتی الامکان عہد لینے کی کوشش کی، اب جنگ ا?زادی کا نیا دور ا?چکا تھا، سیاسی بیداری عام ہو چکی تھی، اعلی تعلیم یافتہ طبقہ سے لے کر عوام تک سیاسی مسائل پر پوری بصیرت اور بڑے جوش سے بحثیں کرنے لگا تھا، حکومت کے ایوانوں میں بیٹھ کر ہندوستان کے گلے میں غلامی کا پھندا کسنے والے ہاتھ عوامی جوش وخروش اور ان کے تیز وتند نعروں سے تھرا گئے، سیاست محلوں اور بنگلوں سے نکل کر جھوپڑوں اور گلیوں اور سڑکوں پر ا?نے کے لئے تیار کھڑی تھی، ظلم وجوار کا مقابلہ اب تلواروں کے بجائے نہتے عوام کو کرنا تھا، تنی ہوئی رائفلوں کے سامنے سے نہتے عوام کو گذرنا تھا؛ لیکن اس وقت بھی گنے چنے برادران وطن کے علاوہ اس تحریک کا ساتھ دینے والے اکثر مسلمان ہی تھے۔ (تحریک ا?زادی اور مسلمان: ۱۶۹) جس سال جلیانوالہ باغ میں جنرل ڈائر کی وحشت وبربریت نے نہتے جلسے میں شرکت کرنے والے عوام کے خون سے ہولی کھیلی تو اسی سال یعنی ۱۹۱۹ ?ء ؁ میں مسلمانوں نے خلافت کمیٹی قائم کی اور اسے اپنے جذبات کے اظہار کے لئے فارم بنایا، یہ تحریک طوفان کی طرح ابھری اور ا?ندھی کی طرح بڑھی اور سیلاب کی طرح پھیلی، اس کے رہنما بجلی کی طرح کڑکے اور رعد

شہیدِ وطن رام پرشاد بسمل

ہمارا ملک ہندوستان جن شہیدانِ وطن کی قربانیوں کو ہمیشہ سلام کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا ان میں ایک اہم نام رام پرشاد بسمل کا بھی ہے جنھوں نے ملک کی آزادی کی خاطر بہت ساری اذیتیں اور پریشانیاں برداشت کیں۔ پھانسی کے دروازے پر پہنچ کر the wish I EmpireBritishofdownfall کہتے ہوئے اور 'وندے ماترم' 'بھارت ماتا کی جے' کا نعرہ لگاتے ہوئے تختہ دار و رسن کو چوم لیا۔ رام پرشاد بسمل اس انقلابی فرد کا نام ہے جس نے 19 سال کی عمر میں انقلاب کی راہ اختیار کی اور اسی راہ پر چلتے ہوئے آزادی ملک کی خاطر اپنی جان قربان کردی۔ 11 سال کی انقلابی زندگی میں رام پرشاد بسمل نے وہ کارنامے انجام دیے کہ آج بھی ہندوستان کا ہر فرد ان کی شہادت کو آزادی وطن کی ایک علامت مانتا ہے۔ انھوں نے ہندوستان ریپبلکن ایسوسی ایشن جیسی انقلابی تنظیم قائم کی اور برطانوی حکومت کے چھکے چھڑا دیے۔ اس تنظیم نے یہ عزم کیا تھا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ملک کو آزادی نصیب نہیں ہوجاتی۔ 1925 کے کاکوری اور 1918 کے مین پوری کی سازش میں کلیدی کردار ادا کرنے والے رام پرشاد بسمل کا ہر ایک عمل ملک کو سامراجی شکنجے سے آزاد کرنے کے لیے تھا۔ ان کا یہ نعرہ تھا:

وطن محبوب ہے اپنا اس پر جسم و جاں قرباں
مخالف وار کر دیکھیں، نہ ہم گردن ہلائیں گے
سرفروشانِ وطن پھر دیکھ لو مقتل میں ہیں
ملک پر قربان ہوجانے کے ارماں دل میں ہیں

اسی انقلابی جذبے کے ساتھ انھوں نے ہندوستان میں قومی انقلابی تحریک کا آغاز کیا اور برطانوی حکومت کے خلاف لڑتے رہے۔ جیل کی کوٹھری میں بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کیا مگر ان کے قدم نہیں لڑکھڑائے۔ اپنے وطن کی آزادی کا اتنا جوش اور جنون تھا کہ کتابیں لکھ کر فروخت کرتے اور ان پیسوں سے ہتھیار خریدا کرتے اور اس کا استعمال انگریزوں کے خلاف ہوتا۔ انھوں نے اپنی ماں کے ساتھ مادرِ وطن کے وقار کو بھی بلند کیا۔ عظیم ماں کا یہ وہ بہادر بیٹا تھا جس نے اپنی ماں سے یہ کہا تھا کہ ماں مجھے یقین ہے کہ تم یہ سمجھ کر حوصلہ رکھو گی کہ تمھارا بیٹا ماو?ں کی ماں بھارت ماتا کی خدمت میں اپنی زندگی کو قربانی کی دیوی کی نذر کر دیا اور اس نے تمھاری کوکھ کو کلنک نہیں لگایا۔ اپنے عہد پر قائم رہا۔ جب آزاد ہند کی تاریخ لکھی جائے گی تو اس کے صفحے پر روشن لفظوں میں تمھارا بھی نام لکھا جائے گا اور واقعی اس ماں نے اپنے ملک کی خاطر ممتا کی قربانی دی اور اپنے بیٹے رام پرشاد بسمل کے جوش و جذبہ کو سرد نہیں پڑنے دیا اور جب بسمل کو جیل میں روتے ہوئے دیکھا تو اس ماں نے کہا کہ یہ کیا بزدلی دکھا رہے ہو میں تو بڑے فخر سے سر اونچا کر کے آئی تھی کہ میری کوکھ نے ایسے بہادر کو جنم دیا ہے جو ملک کی آزادی کے لیے بیرونی سرکار سے لڑ رہا ہے۔ مجھے ناز تھا کہ میرا بیٹا اس سرکار سے بھی نہیں ڈرتا جس کے راج میں سورج غروب نہیں ہوتا اور تم ہو کہ رو رہے ہو۔ اگر پھانسی کا ڈر تھا تو اس راستے پر قدم ہی کیوں رکھا تھا۔ ماں کے ان جملوں نے بسمل کو بہت حوصلہ دیا اور بسمل نے ان جملوں کی اس طرح لاج رکھی کہ رام پرشاد بسمل کا نام سرفروشانِ وطن میں نمایاں اور جلی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

اس شہید وطن رام پرشاد بسمل کے آبا و اجداد کا تعلق مدھیہ پردیش کی ریاست گوالیار کے مرینہ ضلع کے بروائی گاو?ں سے تھا۔ ان کے دادا نرائن رائے وہیں پیدا ہوئے تھے لیکن خاندانی جھگڑوں کی وجہ سے اتر پردیش کے شاہجہاں پور آگئے۔ یہاں اس خاندان کی ابتدائی زندگی بڑی صعوبتوں میں گزری۔ آمدنی کم تھی۔ گزر بسر ناممکن تھا۔ ان کی دادی اناج پیس کر گھر چلاتی تھیں اور دادا نے بھی دوّنی چوّنی بیچنے کی دُکان کھول لی تھی۔ آہستہ آہستہ حالات بدلے اور ان کے دادا نے شاہجہاں پور میں ایک مکان خرید لیا اور ان کے بیٹے مرلی دھر کو میونسپلٹی میں 15 روپے ماہوار پر ملازمت بھی مل گئی۔ اسی مرلی دھر کے بیٹے رام پرشاد تھے جن کا جنم شاہ جہاں پور میں 11 جون 1897 کو ہوا۔ 7 سال کی عمر میں رام پرشاد کو ان کے والد نے ہندی لکھنا پڑھنا سکھایا اور ایک مولوی صاحب کے یہاں مکتب میں اردو پڑھنے لگے۔ اردو مڈل کے امتحان میں وہ فیل ہوگئے تو انگریزی کی پڑھائی شروع کردی۔ نویں جماعت کے طالب علم تھے۔ سوامی سوم دیو سے ان کا ربط بڑھا اور ادھر ستیارتھ پرکاش کا مطالعہ شروع ہوا۔ سوم دیو کی صحبت اور ستیارتھ پرکاش کے مطالعہ نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا اور ملک کی آزادی کا جذبہ جوش مارنے لگا جبکہ رام پرشاد بچپن میں بہت شریر تھے اور اس کی وجہ سے ان کی بہت زیادہ پٹائی بھی ہوتی تھی۔ اپنے والد کے صندوق سے اکثر روپے پیسے چرا کر ناول خرید لیتے تھے اور خوب پڑھتے تھے۔ رام پرشاد کی والدہ بڑی مذہبی تھیں۔ ان کی والدہ نے ان کی بڑی تربیت کی اور رام پرشاد کی ہر جائز خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ رام پرشاد کی زندگی پر ان کی والدہ کا بہت گہرا اثر ہے۔ والدہ ہی کی وجہ سے ان کی زندگی میں استحکام آیا۔ رام پرشاد نے خود اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ اگر مجھے ایسی والدہ نہ ملتیں تو میں ایک معمولی انسان کی طرح دنیاوی چکر میں پھنس کر زندگی گزار دیتا۔

رام پرشاد نے مین پوری سازش میں حصہ لیا جس کے لیڈر پنڈت گینڈا لال دیکشت تھے۔ اس سازش میں شرکت کی وجہ سے بسمل کے خلاف وارنٹ جاری ہوا مگر وہ دیہاتوں میں روپوش ہوگئے۔ اسی زمانے میں انھوں نے کئی اہم کتابیں لکھیں جن میں بولشیوکوں کی کرتوت، من کی لہر، سدیشی رنگ قابل ذکر ہیں۔

رام پرشاد بسمل کو جیل میں بھی دن گزارنے پڑے۔ جب انقلابیوں کی گرفتاری کا سلسلہ شروع ہوا تو رام پرشاد کو بھی گرفتار کیا گیا اور انھیں جیل میں بند کیا گیا۔ انھیں سرکاری گواہ بنانے کی کوشش بھی کی گئی اور پیسے کا لالچ بھی دیا گیا لیکن رام پرشاد بسمل اپنے ارادے پر اٹل رہے۔

کاکوری کیس میں بھی رام پرشاد بسمل آگے آگے تھے۔ کاکوری ریل ڈکیتی کیس میں بہت سے لوگ لکھنو? جیل میں لاکر بند کیے گئے تھے۔ یہ مقدمہ 18 ماہ تک چلا اور اسی مقدمے کے دوران رام پرشاد بسمل جب بھی عدالت جاتے تھے تو یہ شعر ضرور گنگناتے تھے

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

6 فروری 1927 کو کاکوری کیس کا فیصلہ ہوا تو رام پرشاد بسمل کے ساتھ اشفاق اللہ خان، روشن سنگھ اور راجندر لاہڑی کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ پھانسی کی کوٹھری میں رام پرشاد بسمل کو ساڑھے تین مہینے رکھا گیا۔ وہاں انھوں نے بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ رام پرشاد بسمل کو 19 دسمبر 1927 کو گورکھپور جیل میں پھانسی دے دی گئی۔

رام پرشاد بسمل نے وطن کی آزادی کے لیے جان دے کر آزادی کی مشعل جلا دی۔ پھانسی نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا۔ آزادی کا جوش اور جذبہ اور بھی بڑھنے لگا۔ رام پرشاد بسمل نے صرف اپنے عمل اور قربانی سے نہیں بلکہ اپنی شاعری کے ذریعے بھی ملک کے نوجوانوں کو بیدار کیا اور یہ احساس دلایا کہ غلامی سے آزادی کی زندگی بہت بہتر ہوتی ہے۔ ان کا کہنا تھا

رام پرشاد بسمل نے اپنی اس انقلابی تحریک میں اشفاق اللہ خان کو بھی اپنا ساتھی بنا لیا تھا۔ اشفاق اللہ اور رام پرشاد بسمل کی دوستی نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں ایک نئی تاریخ لکھ دی۔ دونوں ہندو مسلم ایکتا کے حامی تھے اور دونوں نے ایک ساتھ مل کر برطانوی غلامی کی زنجیریں کاٹنے کے لیے دار و رسن کی بھی پرواہ نہیں کی اور انگریزوں کے ظلم و استبداد کے خلاف ایسی آواز بلند کی کہ یہ ہر محبّ وطن ہندوستانی کی آواز بن گئی اور اس اجتماعی آواز کی وجہ سے ہمارے ملک کو آزادی جیسی بڑی نعمت نصیب ہوئی۔ آج بھی ہمارا ملک ان شہیدانِ وطن کو یاد کرتا ہے کہ انھی کی قربانیوں نے ہمیں انگریز سامراج کی غلامی سے نجات دلائی۔ وطن پر مٹنے والوں کے نشان کبھی ختم نہیں ہوتے۔ ان کے جسم مرجاتے ہیں مگر ان کی روحیں زندہ رہتی ہیں۔

ملک کی آزادی ہمارے علماء کی مرہون منت ہے

جس وقت تک اخبار میں یہ تحریر شائع ہوکر قارئین کی نظروں کے آگے سے گزرے گی اس وقت تک 15 / اگست یوم آزادی کی خوشی میں بہت سے لوگ ترنگا لہرا کر بھی فارغ ہوگئے ہوں گے نیز اس موقع پر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ لوگ آزادی کی مناسبت سے تاریخی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بھرپور جوش وخروش کے ساتھ آزادی کی خوشی میں مٹھائیاں تقسیم کررہے ہوں گے، ماضی کی یادوں کا اعادہ اور اکابر کی قربانیوں کا تذکرہ کرکے وطن عزیز ہندوستان کی آزادی میں جو تعاون ہمارے بڑوں نے پیش کیا تھا اور ملک کی آزادی کی خاطر جو مصیبت و پریشانی اور رنج وتکالیف برداشت کی تھیں، ان کو دہرا کر عوام الناس اور نسل نو کو واقف کرایا جارہا ہوگا۔ گاوں دیہات، شہر وقصبات میں جگہ جگہ سرکاری و نیم سرکاری اداروں اور ان کی بلند عمارتوں پر ترنگا پہرانے کا عمل بھی ہر سال کی طرح روایتاً دہرا جائے گا۔ ساتھ ہی مدارس ومکاتب اور عصری تعلیم گاہوں اور رفاہ عامہ کیلئے وقف اداروں میں اہتمام کے ساتھ پرچم کشائی کی جائے گی اس دوران "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' نیز حب الوطنی پر مشتمل دیگر ہندی ترانے مکالمے اور ملک کی آزادی میں اہم رول نبھانے والے مجاہدین آزادی کی خدمات پر مشتمل رنگارنگ تقاریر سے اپنے اپنے پروگراموں کو زینت بخشنے کا بھی عمل دہرایا جائے گا۔ اس موقع پر بہت مناسب اور بہت اچھا ہوگا اگر ہم موقع محل کی نزاکت اور ملک کی موجودہ صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے یہاں منعقد کئے جانے والے پروگرام میں برادران وطن اور سرکاری محکمہ کے اعلی زمیداران ومحکمہ پولیس کے افسران کو میدان سیاست سے وابستہ افراد اور سماجی شخصیات کو بھی مدعو کیا جائے اور ان کے سامنے اس بات کو آشکار کیا جائے کہ اس ملک کی آزادی در ہمارے اکابر علماء ؒ اور بزرگوں کی مرہون منت ہے اس لئے کہ یہ ہمارے ہی علماء ؒ، بزرگان دین، نوجوان تھے جنہوں نے ہندو مسلم، سکھ عیساء اور دیگر طبقات سے وابستہ لوگوں کو اپنے ساتھ لیکر بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ بالخصوص آزادی کی پہلی صدا اور پہلی ندا جس کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بلند کی تھی اور شاہ عبدالعزیز نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا پہلا فتوی جاری کیا تھا، سید احمد شہید اور حضرت مولانا اسماعیل شہید نے بالاکوٹ کے میدان میں آزادی کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ اسی طرح سراج الدولہ جنہوں نے 1857 کی جنگ میں بنگال کی سرزمین پر اپنے خون کا پہلا نذرانہ پیش کیا تھا اس سے بھی واقف کرائیں نیز یہ بھی بتائیں کہ اس جنگ میں مسلمان ہی پیش پیش تھے، اور یہی وہ جنگ ہے جس میں 2 / لاکھ کے قریب صرف مسلمان ہی شہید ہوئے تھے، جس میں سے اکیاون ہزار کے قریب تو علماء ؒ کرام کا طبقہ تھا۔ یاد رکھئے آج عوام کا ایک طبقہ جس کی تعداد مٹھی بھر بھی نہیں ہے وہ اپنی اوقات فراموش کئے ہوئے ہیں، جو لوگ ابھی تک انگریزوں کے مخبر بنے سماج میں جینے کے قابل اور منھ دکھانے کے قابل نہیں سمجھے جاتے تھے آج وہی لوگ ہم سے محبّ وطن ہونے کا سرٹیفیکٹ طلب کرتے نظر آرہے ہیں، کل تک جنہوں نے اپنے دفاتر اور آفس کی عمارتوں پر کبھی ترنگا جھنڈا تک نہیں لہرایا تھا اور انہیں ایک قسم کا ترنگے سے خدا واسطے کا بیر تھا آج وہ یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے موقع پر پرچم کشائی کا نہ صرف فرمان جاری کرتے ہیں بلکہ اپنی اوقات سے باہر ہوکر مدارس ومکاتب کی سنہری تاریخ سے ناواقفیت کا ثبوت دینے سے بھی نہیں چوکتے اور مدارس ومکاتب میں لہرائے جانے والے ترنگے اور ان دنوں میں منعقد ہونے والے پروگرام کی ویڈیوگرافی کرانے کا حکم بھی جاری کرتے ہیں۔ ارے انہیں کوئی باخبر کرے ادبات سے کہ وطن عزیز سے محبت ہمارے دین وایمان کا حصہ اور علامت و نشانی ہے، وطن عزیز کی محبت اور اس کی بقاء ؒ و سلامتی کی خاطر ہم نے کیا نہیں کیا؟ ہم نے کل بھی اس ملک کی فکر کی تھی ہم آج بھی اس ملک کی خاطر جان کی بازی لگانے کو ہمہ وقت تیار ہیں ہم وہ نہیں جو ڈھکے چھپے ملک کا سودا کریں اور حکومت کے مناصب پر بیٹھ کر خفیہ طور پر دشمنوں کو اندرونی حالات سے واقف کرائیں۔ ہم نے اس ملک پر کم و بیش آٹھ سو سال حکومت کی ہے اور بڑے طمطراق اور شان وشوکت والی حکومت کی ہے اس دوران حکومت ہمارے اس ملک کو پوری دنیا سونے کی چڑیا سے یاد کرتی تھی اور ہر ایک کی زبان پر یہی گیت ہوتا تھا کہ:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

ہاں مگر یہ حقیقیت ہے کہ ملک چونکہ ہمارے ہاتھوں سے چھینا گیا تھا، بیگھر ہمیں کیا گیا تھا اس لئے آزادی کی جد وجہد میں بھی ہم مسلمان بالخصوص ہمارے اکابر علماء ؒ کرام ہی سب سے ا? گے سب سے نمایاں کردار نبھانے والے اور سب سے زیادہ پرجوش طریقہ پر حصہ لینے والے تھے، اسی وجہ سے انگریزوں نے انہیں ہی سب سے زیادہ مشق ستم بنایا، لہذا ہمارے اکابر نے ہی سب سے زیادہ اپنے سینوں پر ان کی گولیاں کھائیں، ان کے ناروا ظلم سہے، تمام تر اذیتیں برداشت کیں مگر اپنے مقاصد سے تن من پیچھے نہیں ہٹے، الغرض ان کے مظالم کا سینہ سپر ہوکر مقابلہ کیا، تب جاکر آزادی کی صبح نمودار ہوء اور اس ملک میں آباد لوگوں کو آزادی نصیب ہوئی۔

آزادئ ہند اور حالت حاضرہ

۱۵/اگست ۱۹۴۷ کو ہندوستان برطانوی حکومت کے شکنجے سے آزاد ہوا۔ برطانوی سامراج سے ہندوستان کو آزاد کرانے میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب نے برابر کی قربانی پیش کی، کسی ایک طبقہ کی محنت اور کوشش سے ہندوستان آزاد نہ ہوا بلکہ تمام باشندگان ہند نے متحد ہوکر انگریزوں کا مقابلہ کیا اور ہندوستان کو آزاد کرایا۔ لیکن یہ بات بھی مسلم ہے کہ ۱۸۵۷ کے بعد ملک میں انگریزوں کے خلاف جنگ کی جو فضا بنائی گئی تھی اس میں پیش پیش علماء کرام ہی تھے، یہی وجہ ہے کہ انگریزان جبہ قبہ، عمامہ بردار، باریش علماء کرام کو اپنی بقا کے لئے موت کا سامان تصور کرتے تھے، اور ان کے سایہ سے بھی سخت نفرت کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق دہلی کی چاندنی چوک پر پچاس ہزار مسلمانوں کو پھانسی دی گئی تھی جن میں صرف علماء کی تعداد پانچ ہزار سے زائد تھی۔

افسوس آج ہماری نصابی کتابیں ان مجاہدین کی بے لوث اور تاریخ ساز قربانیوں سے خالی پڑی ہیں۔ ہماری نئی نسلوں کو کوئی یہ بتانے والا بھی نہیں ہے کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے عالمی پیمانہ پر انگریزوں کے خلاف یلغار کی اور ان کو وطن سے بے دخل کرنے کے لئے عالمی تحریک، تحریک ریشمی رومال کا آغاز کیا تھا۔ اتنا ہی پر بس نہ کیا بلکہ وہ قومی یکجہتی اور پر امن بقائے باہم کے علم بردار تھے، وہ یہاں کی مشترکہ تہذیبی قدروں پر یقین رکھتے تھے اور ایک عظیم متحدہ ہندوستان تشکیل دینا چاہتے تھے۔ جس میں ہندو مسلم دونوں پیار اور محبت کے ساتھ اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوں اور مشترکہ قومی فرائض میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ چلیں۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا: ''ہم باشندگان ہند بحیثیت قوم ہونے کے ایک اشتراک رکھتے ہیں جو کہ اختلاف مذاہب اور اختلاف تہذیب کے ساتھ ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے، جس طرح صورتوں کے اختلاف، ذاتوں اور صفتوں کے تباین، اور رنگوں اور قامتوں کے افتراقات سے ہماری مشترکہ انسانیت میں فرق نہیں آتا، اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی اختلافات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہوتا، ہم سب وطنی حیثیت سے ہندوستانی ہیں، اور وطنی منافع کے حصول اور مضرات کے ازالہ کی فکر اسی طرح کا ایک فریضہ ہے جس طرح دیگر ملتوں اور قوموں کا۔........ اگر آگ لگنے کے وقت گاؤں کے تمام باشندے آگ نہ بجھائیں، سیلاب کے موقع پر تمام گاؤں کے بسنے والے بند نہ باندھیں، تو گاؤں برباد ہوجائے گا اور زندگی سب کے لیے وبال بن جائے گی۔'' برطانوی حکومت سے آزادی ملنے کے بعد ہندوستان کا آئین اور دستور جمہوری بنا، تاکہ ہر ایک دین و مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہو، کیونکہ دین و مذہب کی آزادی انسان کے ان بنیادی حقوق میں سے ایک ہے جسے انسان کا فطری خاصہ مانا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حکومت نے ہر مذہب کے اس فطری حق کا پاس ولحاظ رکھا، خود ہمارے ملک ہندوستان کی قدیم تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ ''انگریزی راج'' کے مصنف پنڈت سندر لال الہ آبادی نے عہد مغلیہ پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔ ''اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اور ان کے بعد اورنگ زیب کے تمام جانشینوں کے زمانہ میں ہندو مسلم یکساں رہتے تھے، دونوں مذاہب کی یکساں توقیر کی جاتی تھی، اور مذہب کے لیے کسی کے ساتھ جانب داری نہ کی جاتی تھی۔ (روشن مستقبل، ص/۲۴)۔ مذاہب عالم کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی کسی حاکم یا حکومت کی طرف سے آزادئ مذہب پر قدغن لگانے کی کوشش کی گئی تو عوام نے اسے برداشت نہ کیا اور یہ ایک بغاوت کا پیش خیمہ بن گیا۔ خود ہمارے ملک ہندوستان میں یہی ہوا اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا اہم ترین محرک ہندوؤں اور مسلمانوں کا یہ اندیشہ تھا کہ ان کے مذہب میں رخنہ اندازی اور اس میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ۱۹۴۷ کی جنگ آزادی میں جمعیۃ علماء ہند نے اہم کردار ادا کیا، اور ہندوستان کو متحدہ ملک بنانے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے لاہور کے اجلاس میں درج ذیل تجاویز پیش کی۔ (الف) ہمارا نصب العین آزادئ کامل ہے۔ (ب) وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہونگے، ان کا مذہب آزاد ہوگا، مسلم کلچر اور تہذیب کی آزادی ہوگی، وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔ (ج) جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنے مخصوص تہذیب وثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں، ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ ہوگی، یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصولوں پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔ (جمعیۃ علما کیا ہے)

ملک کی آزادی کے بعد جب دستور مرتب ہوا تو اس میں خصوصیت کے ساتھ مذہبی حقوق پر توجہ دی گئی اور آزادی مذہب کو بنیادی اصول میں شامل کیا گیا۔ جس میں صاف طور پر یہ کہا گیا کہ تمام اشخاص کو آزادئ ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا پورا پورا حق ہے، بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیعات متاثر نہ ہوں۔ مذکورہ بالا باتوں سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر قوم وملت کو ہندوستان میں برابری کے ساتھ رہنے اور اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی کھلی آزادی ہے۔ لیکن ادھر گزشتہ کئی سالوں سے ہندوستان میں جو کھیل کھیلا جارہا ہے اس سے جمہوریت بدنام ہوکر رہ گئی ہے، اور پورے دنیا میں ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کا تماشا بن گیا ہے۔ ایک مخصوص طبقہ کو نشانہ بنا کر اس کے نوجوانوں کو جیلوں میں ڈالا جارہا ہے، اور انہیں دہشت گرد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے۔ خصوصا علماء اور مبلغین کو نشانہ بنا کر ان کو پریشان کیا جارہا ہے، اور غلط الزامات عائد کرکے سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا ہے جن میں سے کچھ باعزت بری ہوگئے ہیں لیکن ابھی کئی علماء اور مسلم نوجوان سلاخوں کے پیچھے ناکردہ گناہوں کی سزا پارہے ہیں۔ مبارکباد کے مستحق ہیں قائد ملت حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم جنہوں جمعیۃ علماء ہند کی قیادت کرتے ہوئے، مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف صدا لگا رہے ہیں بے جا جیلوں میں پڑے ہوئے مسلم نوجوانوں کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کرکے ان کو باعزت بری کرانے کی انتھک کوشش کررہے ہیں الحمد للہ ان کی محنت اور لگن سے اب تک بہت مظلوم اور بے گناہوں کو انصاف ملا اور وہ باعزت بری ہوگئے۔ مسلمانوں سے اپیل ہے کہ وہ جمعیۃ علماء کی کوششوں کو سراہتے ہوئے ہر طرح کا مالی وجسمانی تعاون فرماتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو اسی طرح جمعیۃ کی قیادت کرنے اور قوم وملت کی فلاح وبہبود کے لیے سعی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) ابھی حال ہی میں اسلام کے عالمی اسکالر ڈاکٹر ذاکر نائک پر بے جا الزامات لگا کر ان کو پریشان کیا گیا اور ان کے بیانات اور ان کے پیس ٹیوی چینل پر پابندیاں عائد کرنے کی مانگ کی گئی۔ جو جمہوریت کے سراسر منافی ہے۔ دوسری طرف جنت ارضی وادئ کشمیر ان دنوں برف کی سفیدی کی جگہ خون سے سرخ ہوگیا ہے۔ اور پلیٹ گن کے ذریعہ عوام کو زخمی کیا جارہا ہے۔ معلومات کے مطابق پلیٹ گن جان لیوا تو نہیں ہے لیکن اس سے چہرے بگڑ جاتے ہیں بلکہ کئی لوگوں کی

سرسید احمد خاں کا جدید تصور تعلیم اور اصلاح ہندستانی تہذیب و معاشرہ

سرسید احمد خاں کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے، جنھوں نے اپنے افکار و نظریات، اپنی علمیت، اپنی فراست، اپنی محنت و لگن اور اپنی اولوالعزمی سے اپنی شخصی جاذبیت سے، اپنے مشاہدات و تجربات سے مسلمانوں کو ایک نیا افکار و نظریات عطا کیا۔ برسوں سے گمراہی و لاعلمی کی زندگی گزار رہے مسلمانوں کی سوچ کی دھارا انھوں ننے موڑ کر رکھ دی۔ اس طرح مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر انھیں حقیقت سے روشناس کرانے انھیں جدید تعلیم سے واقف کرانے کے لیے عملی کوششیں کرنے والوں میں سرسید احمد خاں کو ممتاز حیثیت حاصل ہیں۔ جنھوں نے اپنے رفقاء ؒ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی اصلاح، فلاح و بہبود اور شعور کی بیداری کا بیڑا اٹھایا۔ مایوس و یاس و گمراہ میں بھٹکنے والے مسلمانوں میں ایک نیا جوش و ولولہ پیدا کیا۔ ان کی لافانی خدمات ا?ج تک تروتازہ ہے انھوں نے سماج کے ان بنیادی مسائل کو اپنا مقصد حیات چنا جس کا برسوں سے ہندوستان شکار رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد نہ جانے کتنی تحریکیں ا?ئی اور گئی لیکن ایک عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی سرسید کی تحریک پرانی نہیں ہوئی بلکہ ا?ج اکیسویں صدی کے حالات پر بھی صادق ا?تی ہے۔

جن کو مٹا سکے نہ کوئی دور انقلاب
کچھ ایسے نقش بھی تو بناتے ہوئے چلو

سرسید کی بے لوث خدمات سے ان کے افکار و نظریات سے جہاں ایک طرف مسلمان طبقہ مستفید ہو رہا تھا، ان کی زندگی میں ایک نیا ا?فتاب طلوع ہو رہا تھا، سرسید کی خدمات کا اعتراف اور حمایت کرنے والوں کا ایک بڑا حلقہ تھا تو دوسری طرف یہ بھی سچ ہے کہ ان کی شخصیت متنازعہ فیہ بھی رہی مذہبی عقائد کے نقطہ ? نظر سے علمائے وقت نے انھیں کافر و ملحد کی صف میں کھڑا کیا تو دوسری طرف روشن خیال طبقے نے انھیں ''مجتہد العصر'' اور ''امام زمانہ '' کے نام سے یاد کیا۔ سرسید کے تعلیمی افکار کو جہاں دقیانوسی طبقے نے انھیں اسلام کش اور انگریزوں کا ہم نوا قرار دیا تو دوسری طرف ماہرین علم و فن اور دانشوروں نے انھیں زمانہ شناس، دور اندیش کے خطاب سے نوازا۔ سیاسی میدان میں جہاں انھیں ابن الوقت کہا تو دوسری طرف سیاسی دانشوران نے ان کی ذہانت و متانت ان کی دور بینی کے سبب انھیں مصلح قوم کے نام سے یاد کیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود اہل علم و نقد و نظر حتیٰ کہ ان کے مخالفین بھی فکری و نظریاتی اختلاف کے باوجود اس بات پر متفق نظر ا?تے ہے کہ سرسید احمد خاں کی شخصیت ایک سماجی، سیاسی، تمدنی، ثقافتی اور تہذیبی ادارے اور انجمن کی سی ہے جس نے مسلمانوں کی زندگی اور ان کی زندگی سے متعلق مختلف گوشوں کے رخ موڑنے، اس میں نئے امکانات روشن کرنے، زمانے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے میں اپنی ذات سے بلند تر ہو کر مسلسل کوشش کرنے کی طرح ڈالی۔ ا?ج مسلمانوں کی جو ترقی پسندانہ سوچ ہے ان میں جو بھی جدید تبدیلیاں، جو فکر و تحریک نظر ا?رہی ہے اس کی بنیاد برسوں پہلے سرسید احمد خاں نے ہی رکھی تھی، سرسید نے جو بیج برسوں پہلے بویا تھا ا?ج تناور درخت کے مانند ہم سب کے سامنے ہے۔ سرسید کو بہت پہلے ہی یہ احساس ہو گیا تھا کہ اگر مسلمان نہیں سنبھلے اور وقت کے ساتھ ا?گے نہیں بڑھے تو ان کو تباہ و برباد ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ شاید اسی لیے اقبال نے بھی کہا تھا کہ:

نظم ''تصویر درد''

نہ سمجھو گے تو مٹ جاو? گے اے ہندوستاں والوں!
تمھاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں
یہی ا?ئین قدرت ہے، یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن، محبوب فطرت ہے

سرسید احمد خاں نے علم حاصل کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا، خصوصا جدید تعلیم کو اولیت دیں۔ جس کے لیے انھوں نے شعر و ادب کو نئے زاویے سے پیش کیا۔ ۱۸۵۷ء ؁ کا انقلاب کئی معنوں میں ہندوستان کی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے۔ یہ وہ اہم موڑ ہے جس نے قوم و ملت کے لیے فکر مند افراد کو غور و فکر کرنے پر مجبور کر دیا۔ سیاسی نظام کی تبدیلی نے بدلتے حالات کے بدلتے تقاضوں بدلتی قدروں کا احساس دلایا۔ مسلمانوں کی زبوں حالی اور ان کے معاشرے کی بدحالی کا ان میں پنپ رہی خامیوں کا احساس نہ ہونے کے باعث حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ جس کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ سیاسی زوال کے باعث مسلمان اپنا وقار کھو رہے تھے۔ حکومت، عہدے، جاگیر، منصب، جو ان کے معاشی برتری اور اقتصادی خوش حالی کا اہم ذریعہ تھی سب کچھ ان سے چھن چکا تھا۔ فاتح قوم مسلمانوں کو شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے کہ کہیں یہ اپنا وقار واپس حاصل کرنے کے لیے دوبارا نہ اٹھ کھڑے ہو اس لیے انھوں نے 1857 کے ہنگامے کا سارا ذمہ مسلمانوں کے سر پر ڈال دیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اس اذیت سے گزرنا پڑا جس کا اثر ا?ج تک کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ یہ مسلمانوں کی لیے ایک لمحہ ? فکر یہ تھا۔ جس نے فکر مند افراد کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، ان میں ایک اہم نام سرسید احمد خاں کا بھی ہے۔ جو اس طبقے کے سر براہ تھے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی اصلاح کے لیے وقف کر دی۔ اخبار، سائنٹفک سوسائٹی کے اداریوں اور تہذیب الاخلاق کے مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ سرسید ایک ماہر نباض کی طرح مسلمانوں کی دکھتی رگوں کو پہچان گئے تھے وہ لکھتے ہیں:

''اس ملک میں ہماری قوم کا حال نہایت ابتر ہے اگر ہماری قوم میں صرف جہالت ہی ہوتی تو چنداں مشکل نہ تھی۔ مشکل تو یہ ہے کہ قوم کی قوم جہل مرکب میں مبتلا ہے۔

علوم جن کا رواج ہماری قوم میں تھا، یا ہے اور جس کے تکبر و غرور سے ہر ایک پھولا ہوا ہے دین و دنیا میں بکار ا?مد نہیں۔ علم ادب و انشاء ؒ کی خوبی صرف لفظوں کے جمع کرنے اور ہم وزن کلموں تک ملانے اور دور از کار خیالات بیان کرنے اور مبالغہ ا?میز باتوں کے لکھنے پر منحصر ہے۔ فن شاعری جیسا ہمارے زمانے میں خراب اور ناقص ہے اس سے زیادہ کوئی چیز بری نہ ہوگی۔ علم دین تو وہ خراب ہوا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اس معصوم، سیدھے سادے، سچے اور نیک طبیعت والے پیغمبر ? نے جو خدا کے احکام بہت سادگی، صفائی اور بے تکلفی سے جاہل، ان پڑھ اور بادیہ نشین عرب کی قوم کو پہنچائے تھے اس میں وہ نکتہ چینیاں اور باریکیاں پیدا کیں اور وہ مسائل فلسفہ اور دلائل منطقہ ملائی گئی کہ اس میں اس سچائی، صفائی اور سادگی کا مطلق اثر نہیں رہا۔ مجبوری لوگوں کو اصلی احکام کو جو قرا?ن اور معتمد حدیثوں میں تھے چھوڑنا پڑا، اور زید و عمرو کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنی پڑی۔ علم مجلس اور اخلاق اور برتاو? دوستی کا ایک طریقہ پر پڑ گیا ہے جو نفاق سے بھی بدتر ہے۔

امیروں کا حال دیکھوں تو ان کو دن رات بٹیر لڑانے، مرغ لڑانے، کبوتر اڑانے اور اس طرح تمام لغویات میں زندگی بسر کرنے کے سوا اور کچھ کام نہیں تھا اور مذہبی طبقہ کا یہ حال کہ کینہ و نخوت اور اپنے تقدس و بزرگی اور خدا پرست ہونے کا گھمنڈ مقدس لوگوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا پاو? گے، اور اگر دنیا میں شیطان کو ڈھونڈتے پھرو تو بجز مقدسین کے جبہ و دستار مبارک کے اور کہیں پتہ نہ ملے گا۔'' (بحوالہ : ملک فضل الدین (مرتب) سرسید کے مضامین تہذیب الاخلاق (لاہور، ۱۳۲۳ھ)، ص۱۵۴)

۱۸۵۷ء ؁ میں ہندوستان میں ہر جگہ انگریزی تعلیم ترقی کر چکی تھی، لیکن جیسا کہ الفریڈ کرافٹ کی تعلیمی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت تعلیمی اعتبار سے انتہائی پسماندہ تھی، پورے ملک میں مسلمان گریجویٹ کی تعداد بیس (20) تھی جن میں سترہ (17) بی۔ اے اور تین (3) ایم۔ اے تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی مسلمانوں کو اپنی پسماندگی کا احساس نہیں تھا جیسا کہ درج بالا اقتباس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان طبقہ غفلت و گمراہی کے اندھیروں میں پوری طرح غرق تھا۔ وہ اپنے قدیم علوم پر فخر کیا کرتے تھے، جدید علوم کی ناواقفیت سے وہ بے روزگاری اور افلاس میں مبتلا ہو چکے تھے پھر بھی انھیں اس کا احساس نہیں تھا، سرسید اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''جو علوم مسلمانوں میں مروج ہے وہ بلاشبہ غیر مفید ہے اور حسب احتیاج وقت نہیں ہے اور یہی باعث ان کی مفلسی کا اصل سبب جہل ہے اور غیر مفید علوم کا عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں اس لیے ان سے نہ لوگوں کو کچھ فائدہ پہنچا ہے اور نہ وہ خود کچھ اپنا بھلا کر سکتے ہیں جو تعلیم کہ حسب احتیاج وقت لوگوں کی تعلیم و تربیت نہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اول مفلس اور محتاج اور پھر نالاو اور کاہل اور پھر ذلیل و خوار اور پھر چور و بدمعاش ہو جاتے ہیں۔'' (بحوالہ: سر راس مسعود (مرتب) خطوط سرسید، بدایوں 1922، ص39)

سرسید کے نزدیک معاشرتی اصلاح کے لیے تعلیم یافتہ ہونا انتہائی اہم ہے، یہی وجہ تھی کہ سرسید فکر مند رہتے تھے کہ مسلمان تعلیم کی اہمیت کو سمجھے اور اس کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے بچوں کو تعلیم دے۔ انھوں نے اسی بیداری کو لانے کے لیے رسالہ تہذیب الاخلاق میں متعدد مضامین بھی لکھے 26 مئی 1873 کو پٹنہ میں تقریر کرتے ہوئے سرسید نے کہا: ''جس وقت اولاد کی تربیت کا ذکر ا? تا ہے تو رئیسوں اور دولتمندوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنی اولاد کی تعلیم خاص اپنے اہتمام سے اور ہر ایک علم کے عالم نوکر رکھ کر بخوبی کر سکتے ہیں۔ بعضوں کے دل میں یہ خیال پیدا اہوتا ہے کہ ہم کو اپنی ہی اولاد کی تعلیم و تربیت کرنی کافی ہے مگر یہ ایک بڑی غلطی ہے اور خود اپنی اولاد کے ساتھ دشمنی کرنے ہے۔ جہالت اور ناتربیتی وبا کی مانند ہوتی ہے جب تک تمام شہر اس بد ہوا سے پاک نہ ہو کوئی ایک گھر اپنے تئیں اس سے بچ نہیں سکتا۔'' (بحوالہ : ملک فضل الدین (مرتب) سرسید کے مضامین تہذیب الاخلاق (لاہور، ۱۳۲۳ھ)، ص429) مسلمانوں کی زبوں حالی کا واحد سبب جو سرسید نے محسوس کیا وہ تھا جدید تعلیم سے بے بہرہ ہونا۔ سرسید نے تعلیم خصوصا جدید تعلیم کو اولیت دی۔ ان کے نزدیک جدید تعلیم ہی وہ واحد راستہ ہیں جس کے ذریعہ مسلمان قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہیں اگر ہم اس عہد کے تعلیمی نظام پر نظر ڈالیں تو پاتے ہے کہ مسلم عہد حکومت میں تعلیم کا ایک مخصوص نظام تھا ابتدائی تعلیم مکتبوں میں دی جاتی تھی جب کہ اعلیٰ تعلیم کے لیے مدارس تھے، اور یہ مدارس و مکاتب مسجدوں میں قائم ہوتے تھے جہاں صرف دینی تعلیم ہی دی جاتی تھی۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے قائم ہونے کے بعد ایک نیا انقلاب برپا ہوا۔ لیکن جدید تعلیم کی واقفیت سے مسلمان اس وقت بھڑ کتے تھے۔ ایسے حالات میں سرسید کا مقصد تعلیم تھا کہ تعلیم یافتہ طبقہ ہر اعتبار سے قوم کے لیے مفید ہو اور ایک ایسے ترقی پذیر معاشرے کی تعمیر میں اپنا فرض انجام دے سکے۔ انھوں نے اس سلسلے میں اپنا نظریہ یوں بیان کیا: ''میں اپنی قوم میں ہزاروں نیکیاں دیکھتا ہوں پر ناشائستہ۔ ان میں نہایت دلیری اور جرا?ت پاتا ہوں پر خوفناک۔ ان میں نہایت قوی استدلال دیکھتا ہوں پر بے ڈھنگا، ان کو نہایت دانا اور عقلمند پاتا ہوں پر اکثر مکر و فریب اور زور سے ملے ہوئے۔ ان میں صبر و قناعت بھی اعلا درجہ کی ہے مگر غیر مفید اور بے موقع پس میرا دل جلتا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر یہی ان کی عمدہ صفتیں عمدہ تعلیم و تربیت سے ا?راستہ ہو جائیں تو دین اور دنیا دونوں کے لیے کیسی کچھ مفید ہوں۔ '' (بحوالہ : مجلّہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ، جلد سوم، یکم شوال 1289ھ، ص، 174) سرسید اس بات سے بھی بخوبی واقف تھے کہ صرف چند کتابوں کا مطالعہ کر لینے سے یا سبق رٹ لینے کو تعلیم نہیں کہتے۔ ان نزدیک یہ اہم تھا کہ بچے کو ایسا ماحول ملنا چاہیے جہاں اس میں اچھی عادتیں پیدا ہو، سرسید کی اس سوچ کے پیچھے بھی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے ا? کسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی میں جو نظام تعلیم دیکھا تھا اس سے وہ کافی متاثر تھے، اسی لیے انھوں نے ماحول ملنے کی بات پر اہمیت دی وہ ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں کہ: ''یہ جدا جدا وہ چیزیں ہیں جو کچھ انسان میں ہے اس کو باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے اور اس کو کسی کام کے لائق کرنا اس کا تربیت کرنا ہے جو قوتیں کہ خدا تعالیٰ نے انسان میں رکھی ہیں ان کو تحریک دینا اور شگفتہ و شاداب کرنا انسان کی تعلیم ہے اور اس کو کسی بات کا مخزن اور مرکز بنانا اس کی تربیت ہے۔ انسان کو و تعلیم دینا دراصل کسی چیز کا باہر سے اس میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اس کے دل کے سوتوں کو کھولنا اور اندر کے سرچشمہ کے پانی کو باہر نکالنا ہے جو صرف اندرونی قویٰ کو حرکت میں لانے اور شگفتہ و شاداب کرنے سے نکلتا ہے، اور جو انسان کی تربیت کرنا اس کے لیے سامان کو مہیا کرنا اور اس سے کام لینا ہے جیسے کہ حوض بنانے کے بعد اس میں پانی کا بھرنا۔'' (بحوالہ : ملک فضل الدین ''مرتب'' سرسید کے مضامین تہذیب الاخلاق 1323ھ، لاہور، ص 56) سرسید کے نزدیک تعلیم کا بنیادی مقصد ایک بہتر انسان بنانا بھی ہے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ بچہ اس قابل ہو جائے کہ وہ معاشی مضبوط ہو تا کہ وہ ایک بہتر زندگی بسر کر سکے۔ اس لیے ان کا خیال تھا کہ بچہ یا طالب علم اس لائق بنے کہ وہ یہ فیصلہ خود لے سکیں کہ مجھے زندگی میں کیا بننا ہے، اس مسئلہ کے سلسلے میں وہ رقم طراز ہیں کہ: '' تمام سویلائزڈ ملکوں میں ایک عام رواج ہے کہ جب بچہ تعلیم پانے کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کے مربی اس امر کا فیصلہ کرتے ہیں اور اس فیصلہ کے مطابق اس کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرتے ہے۔ ایک طالب علم جو ابتدائی تعلیم شروع کرتا ہے جب تک وہ اس کا فیصلہ نہ کرے کہ میں کیا ہوں گا اور کیا کروں گا اس وقت تک اس کو تعلیم میں کبھی کامیابی نہیں ہوتی۔'' (بحوالہ : ملک فضل الدین ''مرتب'' سرسید

تحریکِ آزادی میں اردو صحافت کا کردار

آزادی کی سالگرہ ہم گذشتہ ۷۵ برسوں سے ایک قومی تہوار کی صورت میں ہر سال ماہ اگست میں مناتے ہیں۔ ہماری قومی زندگی میں ۱۵/اگست کا یہ دن کافی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کے وسیلہ سے جہاں ہمیں اپنے اسلاف کی قربانیوں کو یاد کرنے کا موقع ملتا ہے وہیں کامیابی وکامرانی کی شاہراہ پر آگے بڑھنے کے لئے نیا جوش اور ولولہ بھی حاصل ہوتا ہے، ساتھ ہی ہم اس بات کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ آزادی کی بنیادی ضرورتوں یعنی اتحاد و یک جہتی، سماجی خوشحالی اور اقتصادی ترقی میں اپنی ذمہ داری کس حدتک نبھا سکے ہیں۔

آزادی کے ان برسوں میں ہم نے زندگی کے مختلف میدانوں میں وہ قابل ذکر کامیابیاں حاصل کی ہیں جن پر بجا طور سے فخر کیا جاسکتا ہے لیکن ہماری ناکامیوں اور کمزوریوں کی فہرست بھی کم طویل نہیں اور جب اس پر نظر ڈالی جاتی ہے تو فطری طور پر ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

آج ہمیں یہ اعتراف کرنے میں قطعی جھجک نہیں ہونا چاہئے کہ آزادی کی ۷۵ برسوں میں ہمارے اندر قومی شعور پیدا نہ ہوسکا، ہم فرقوں ذاتوں علاقوں اور زبانوں کی بنیاد پر سوچتے اور اپنا رویہ متعین کرتے ہیں۔ شمال مشرق کی ریاستوں آسام، ناگالینڈ، منی پور وغیرہ میں تشدد کے مظاہرے، کشمیر میں آگ وخون کا کھیل، گجرات میں نفرت وتعصب کا ابھار، بہار، بنگال، مدھیہ پردیش اور آندھرا پردیش کے قبائلی علاقوں میں نکسلی تحریک کے عمل دخل کے ساتھ ساتھ جہیز کے لئے بہوؤں کو زندہ جلا دینا، تمام تر ترقیات کے باوجود بے روزگاری، بدامنی اور بدعنوانی کا دور دورہ اور ہمارے رہنماؤں کا یہ کہنا کہ ملک میں تشدد کو باہر سے مدد مل رہی ہے، پوری قوم کو اپنے گریباں میں جھانکنے اور اپنا جائزہ لینے پر مجبور کرتا ہے۔

آزادی کے ۷۵ برسوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ملک کی اقلیتیں خود کو سب سے زیادہ غیر محفوظ سمجھ رہی ہیں، انہیں آزادی کے ۷۵ سال گزر جانے کے باوجود اپنی مذہبی، تہذیبی اور لسانی شناخت کے تحفظ کے بارے میں غیر معمولی خطرات لاحق ہیں، یہ کسی جمہوری ملک کے لئے اچھی علامت نہیں، نہ کسی آزاد قوم کے شایانِ شان ہے بلکہ ایسی مثالوں سے بحیثیت قوم ہماری کمزوری کا اظہار ہوتا ہے اگر ہم اپنی ان کمزوری کو دور نہ کرسکے تو مستقبل میں ایک قوم کی شکل میں ہمارا متحد رہنا دشوار ہوجائے گا۔ دوسرا تشویشناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے یہاں کی سیاسی جماعتیں ان مسائل کو حل کرنے کے بجائے صرف اقتدار کی روشنی میں دیکھتی ہیں اور بیشتر کا حال تو یہ ہے کہ وہ مسئلوں کو حل کرنے سے زیادہ اُن کا فائدہ اٹھانے پر یقین رکھتی ہیں جس کی وجہ سے ۷۵ برس میں عام آدمی کی مشکلات کا حجم برابر بڑھتا جارہا ہے۔ تاہم روز افزوں تشدد ہو یا زندگی کے دوسرے مصائب ومشکلات ان سے پریشان ہونا نہیں چاہے کیونکہ ابتلاء وآزمائش کے مراحل سے وہی گزرتے ہیں جو زندگی کے لئے جدوجہد میں سرگرم رہتے ہیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے کے بجائے کچھ کرکے دکھانے پر یقین رکھتے ہیں۔ آزادی بلاشبہ ایک نعمت ہے لیکن اسی وقت تک جب ملک کا ہر شہری اس کے فوائد سے بہرہ ور ہو اور کسی ایک فرد یا طبقہ کو آزادی کی نعمتوں سے محروم کردیا جائے تو ایسی آزادی کو کیسے نعمت کہا جاسکتا ہے لہذا ۱۵/اگست کو آزادی کی سالگرہ مناتے ہوئے لال قلعہ پر ترنگا لہرا دینا یا وزیر اعظم کی تقریر سن لینا ہی کافی نہیں اس سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری یہ ہے کہ خوشی ومسرت کے اس دن کو ہم ''یوم احتساب'' کے طور پر منائیں اور ۷۵ سالہ کارگزاری کا جائزہ لینے کے بعد یہ عہد کریں کہ ہم اپنے کردار وعمل سے آزادی کی بہرصورت حفاظت کریں گے اور ہر اس برائی کے خلاف سینہ سپر ہوجائیں گے جو آزادی کی روح کو مضمحل کرنے والی ہو یہی یوم آزادی منانے کا حاصل اور آزادی کا مقصود ہونا چاہئے۔

تعمیر کردار اور اساتذہ

علامہ اقبال ? کی نظر میں اسلامی نظام تعلیم تعمیر کردار اور تہذیب اخلاق کو تعلیم کا بنیادی مقصد قرار دیتا ہے اور وہ ایسے نوجوان تیار کرنا چاہتا ہے جو ایک طرف علم کی دولت سے مالا مال ہوں تو دوسری طرف اخلاق حسنہ کے جوہر سے بھی آراستہ ہوں، جن کی زندگیاں ملک وملت اور انسانیت کی خدمت کیلئے وقف ہوں اور جو اعلیٰ مقاصد کیلئے اپنی صلاحیتوں کا بہترین استعمال کریں جو تعلیم طالب علم کو اپنے مقاصد سے روشناس نہ کرے، محاسن اخلاق سے اس کی سیرت کو آراستہ نہ کرے اور اس میں صداقت، شجاعت اور عدالت جیسے صفات عالیہ پیدا نہ کرے، وہ تعلیم نہیں بلکہ فریب محض ہے؛ چنانچہ اقبال فرماتے ہیں:

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملّا نہ فقیہ۔۔۔ وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام

تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت بچے کے کردار کی تشکیل کی ہے۔ تعلیم جب تک اچھے کردار نہ پیدا کرے گی اپنا حقیقی مقصد حاصل نہیں کرسکتی؛ چنانچہ قرآن بیک وقت ایمان اور عمل صالح کی تلقین کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بنیادی مشن میں تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ تزکیہ یعنی انسانی زندگی اور روح کی تطہیر بھی شامل ہے۔ اس لئے استاد کو خود اپنی زندگی اور اپنے کردار وعمل سے طالب علم میں ایک مومنانہ زندگی اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے اور درس گاہوں کا ماحول بھی اس کیلئے ممد ومعاون ہونا چاہئے۔

اسلامی نظام تعلیم میں طلبہ کے ساتھ ساتھ ان کے تزکیہ اور اصلاح باطن کی فکر کی جاتی تھی۔ استاد صرف معلم ہی نہیں مربی بھی ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام تعلیم کے تیار کردہ افراد نے نظام حکومت کو نہایت دانش مندی اور خوش اسلوبی سے چلایا۔

روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو۔۔۔ خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام

اقبال ? کے نزدیک تعلیم میں اس وقت تک کوئی بنیادی اور عملی تبدیلی نہیں آسکتی، جب تک کہ اساتذہ کی حالت زار کو نہ بدلا جائے کیونکہ ننھے اور معصوم ذہنوں پر استاد ایک دائمی اور اَنمٹ نقش ثبت کرتا ہے۔ اس کے اعتقادات و اقدار، پرتو وکردار طلباء ؁ کیلئے نمونے کا کام دیتے ہیں، لہٰذا اساتذہ کو اس منزل تک لائے بغیر یہ ممکن نہیں کہ طلباء ؁ کو اسلامی تعلیمات واصول کا پیکر بنایا جائے۔ اسلامی نظام تعلیم ایسے اساتذہ کو گوارا نہیں کرتا جن کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوں؛ چنانچہ وہ اس تعلق سے فرماتے ہیں:

شیخ مکتب ہے ایک عمارت گر۔۔۔ جس کی صنعت ہے روح انسانی

نکت ? دل پذیر تیرے لئے۔۔۔ کہہ گیا ہے حکیم قاآنی

پیش خورشید در مکش دیوار۔۔۔ خواہی از صحن خانہ نورانی!

اقبال موجودہ اساتذہ کے معیار سے مطمئن نہیں ہیں اور انھیں اس قابل نہیں سمجھتے کہ نوجوانوں کی تعلیم ان کے سپرد کی جائے؛ کیونکہ وہ خود بھٹکے ہوئے ہیں اور انھیں خود راہ کی خبر نہیں ہے اور جب خود انھیں اس کی خبر نہیں ہے تو وہ دوسروں کو کیونکر راستہ بتاسکیں گے۔

مقصد ہو اگر تربیت لعل بدخشاں۔۔۔ بے سود ہے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو

دنیا ہے روایات کے پھندوں میں گرفتار۔۔۔ کیا مدرسہ، کیا مدرسہ والوں کی تگ ودو

کرسکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت۔۔۔ وہ کہنہ دماغ اپنے زمانہ کے ہیں پیرو

وہ کم سواد وکم نظر شیخ مکت سے بھی نالاں ہیں جو خود نہ تعلیم کا مطلب سمجھتے ہیں اور نہ اس علم میں نظر غائر رکھتے ہیں جس کا وہ درس دیتے ہیں:

شیخ مکتب کم سواد وکم نظر۔۔۔ از مقام او ندادا و راخبر

تربیت وکردار کے ضمن میں اقبال کے نزدیک دوسرا اہم قدم تعلیمی ماحول کی اصلاح ہے۔ مغربیت سے بھرپور، مذہب کو زندگی سے غیر متعلق قرار دینے والے شعائر اسلامی کو کوئی اہمیت نہ دینے والے، اسلام کی اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈالنے والے اس ماحول کی تبدیلی جہاں ناچ گانے اور رقص وسرود کو کلچر قرار دیا جاتا ہے تربیت کردار کی طرف دوسرا اقدم ہے۔ وہ تعلیم گاہوں میں ایسا ماحول چاہتے ہیں جو طالب علم کو اپنے دین پر فخر کرنا سکھائے، اسلام کی اخلاقی اقدار کو دنیا میں بہتر زندگی کیلئے ناگزیر قرار دے اور حریت کے جذبات کو پروان چڑھائے۔ بہ حیثیت مجموعی ماحول خوبیوں کی قدر کرنے والا اور خرابیوں کو دور کرنے والا ہو۔ اقبال صرف یہی نہیں چاہتے کہ نوخیز نسلوں کی ذہنی اور فکری تربیت کا انتظام ان کے نصب العین کے مطابق ہو بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی اور عملی تربیت بھی ہو۔ یہ ضرورت اس وجہ سے اور بھی شدید ہوگئی ہے کہ ہمارے ملک میں مدت ہائے دراز کے انحطاط کی وجہ سے اخلاقی اور اجتماعی تربیت کا نظام باقی نہیں رہا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ آدمیوں کی تو بہتات ہے لیکن تربیت یافتہ آدمیوں کا قحط ہے۔ ہمارے تعلیم یافتہ حضرات بھی پاکیزہ اخلاق اور نظم وضبط کی بنیادی تربیت سے عاری ہیں۔ اس کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے ایسے کارکن جو کسی نصب العین کیلئے جدوجہد کرسکیں، ملنا دشوار ہے۔ درس گاہوں کے موجودہ ماحول میں وہ تعلیم واساتذہ جو طالب علم کے کردار ڈھالنے میں بہت ہی اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کے فقدان صلاحیت پر اقبال یوں تنقید فرماتے ہیں:

زندگی کچھ اور شئے ہے علم ہے کچھ اور شے۔۔۔ زندگی سوزِ جگر ہے علم ہے سوزِ دماغ

علم میں دولت بھی ہے قدرت بھی ہے لذت بھی ہے۔۔۔ ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ

اہل دانش عام ہیں، کمیاب ہیں اہل نظر۔۔۔ کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا چراغ

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشادہ دل کہاں۔۔۔ کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

اقبال چاہتے ہیں کہ کسی طرح مسلم نوجوانوں کے دل ودماغ اور کردار وعمل میں ایک انقلاب پیدا ہوجائے تاکہ انھیں اپنی حیات کا مقصد اور اپنی روحانی طاقتوں کا احساس ہوسکے۔

اے مسلمانانِ فغاں از فتنہ ہائے علم وفن۔۔۔ اہرمن اندر جہاں ارزاں ویزداں دیریاب

انقلاب انقلاب اے انقلاب

واعظ اندر مسجد وفرزند اؤ در مدرسہ۔۔۔ آں بہ پیری کودکے ایں پیر در عہد شباب

انقلاب انقلاب اے انقلاب

لیکن وہ ایسا انقلاب محض ظاہری ووقتی نہیں چاہتے بلکہ دل اور روح کا انقلاب چاہتے ہیں اور یوں بھی انقلاب کی تلقین اس وقت صحیح ہوسکتی ہے جب ایک دوسرا لائحہ عمل پیش نظر ہو۔ یہ دل ونظر کا انقلاب اقبال کے نزدیک صحیح مذہبی تعلیم میں پنہاں ہے، کیونکہ اسی سے دل ونظر کی تعلیم یعنی اخلاق کی تعمیر ہوسکتی ہے۔ موجودہ تعلیم گو نہایت اعلیٰ سہی مگر جب تک اس سے ذہنی وفکری بلندی نصیب نہ ہو اس وقت تک تعلیم کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

مرید ہندی: چشم بینا سے ہے جاری جوئے خوں۔۔۔ علم حاضر سے ہے دیں زار وزبوں

پیر رومی: علم را برتن زنی مارے بود۔۔۔ علم را بر دل زنی یارے بود

مرید ہندی: پڑھ لئے میں نے علوم شرق وغرب۔۔۔ روح میں باقی ہے اب تک درد وکرب

پیر رومی: دست ہر نا اہل بیمارت کند۔۔۔ سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

مرید ہندی: علم وحکمت کا ملے کیوں کر سراغ۔۔۔ کس طرح ہاتھ آئے سوزِ درد وداغ

پیر رومی: علم وحکمت زاید از نان حلال۔۔۔ عشق ورقت آید از نان حلال

یہاں مرید ہندی سے مراد اقبال خود ہیں اور پیر رومی سے مراد مولانا جلال الدین رومی ہیں، جن کو اقبال اپنا معنوی اور روحانی استاد تسلیم کرتے ہیں۔ اس مکالمے کی شکل میں علم وحکمت کے لطیف نکات بیان کئے گئے ہیں جو موجودہ تعلیمی زبوں حالی کو بدل سکتے ہیں۔ اقبال کے مدرہ اور اہل مدرسہ یا مروّجہ نظام تعلیم پر طنز وتنقید کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ علم وفن یا اساتذہ وتعلیم کی اہمیت و افادیت کو محسوس نہیں کرتے یا ان کی تخفیف کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ خود اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے اور شراب علم کی لذت کشاں کشاں ان کو مشرق سے مغرب تک لے گئی۔

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانہ سے۔۔۔ شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو!

اقبال سے بڑھ کر علم کا شیدائی کون ہوگا۔ تعلیم ان کے نزدیک ملت کے جملہ امراض کی دوا اور خون فاسد کیلئے کارگر نشتر ہے، اس کے حصول کیلئے سفر وحضر کی صعوبتوں کی پروا نہ کرنی چاہئے۔ اساتذہ بھی ان کی نظر میں قوم کے معمار ہیں۔ ایسے معمار جن کی رہنمائی سے روح انسانی منور رہتی ہے لیکن جب اقبال یہ دیکھتے ہیں کہ اساتذہ کی بے بصری تعلیم کے اصل مقصود کو فراموش کرتی جارہی

جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کا حصہ

ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی تاریخ کا سب سے اہم باب مسلمانوں کے خون سے لالہ زار ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک پر صدیوں حکمرانی کی تھی اس لئے انہیں انگریزوں کی غلامی لعنت کا طوق نظر آئی اور وہ اس کے خلاف صف آرا ہوگئے دیگر برادران وطن کی اکثریت کیونکہ آزادی کی نعمتوں اور غلامی کی ذلتوں سے نا آشنا تھی ان تک مسلمانوں نے حریت کا پیغام پہونچایا اور بلا لحاظ مذہب وملت ہندوستان پر صرف ہندوستانیوں کے حق کی صدا لگائی جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نہ مسلمان ہی نہیں دوسرے شہری بھی انگریزوں کے جبر واستبداد کے خلاف سینہ سپر ہوگئے دوسری طرف مختلف مذاہب کے ماننے والوں اور متنوع زبانوں یا تہذیبوں کی نمائندگی کرنے والوں میں اتحاد پیدا ہوا مگر جلدی ہی انگریزوں کی ریشہ دوانیوں نیز ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی نے ہندو مسلم اتحاد کی فضا کو باقی نہ رہنے دیا۔ ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ کا اگر غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا اعتراف لازم ہوگا کہ مجاہدین آزادی کی صفوں میں ہندوستان کے مسلمان سب سے آگے تھے اور انہوں نے انگریزوں کے ظلم وستم کا سب سے زیادہ مقابلہ کیا اور وہ عظیم قربانیاں پیش کیں جو تاریخ میں آبِ زر سے لکھی جانے کے قابل ہیں مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ آزاد ہندوستان میں جو تاریخ مرتب کی جارہی ہے یا نئی نسل کو نصاب میں جو کتب پڑھائی جارہی ہیں ان کے صفحات مسلمانوں کے ذکر سے خالی ہیں اور بعض تنگ نظر مورخوں کا تو یہ خیال ہے کہ تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کردار منفی رہا ہے اس کے ثبوت میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کا عمومی کردار مذہبی جذباتیت پر مبنی اور فرقہ پرستانہ تھا انہوں نے انگریزوں سے گٹھ جوڑ ہی نہیں کیا بلکہ ان کے آلہ کار بن کر تقسیم وطن جیسے فرقہ پرستانہ مطالبہ کے بھی وہ مرتکب ہوئے۔ اس کے علاوہ مسلم رہنما ''ہندوستانی قومیت'' کو بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے رہے حالانکہ یہ کہنا جتنا غیر حقیقی اور غلط ہے اس سے زیادہ گمراہ کن بھی ہے تاریخ کا بے لاگ مطالعہ اس کی مکمل تردید کرتا ہے۔ دراصل اس سلسلہ میں شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ مفروضہ قائم کرلیا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو کانگریس کے خلاف تھا وہ آزادی کی لڑائی کا بھی مخالف رہا۔ جبکہ کانگریس سے الگ رہ کر بھی متعدد رہنماؤں نے جنگ آزادی میں زبردست کردار ادا کیا ہے ایسے تجزیہ نگاروں کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ کانگریس ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی اور ۱۹۴۷ء تک اس کا رول ایک ایسی تحریک کی طرح رہا۔ جس میں مختلف نقطہ نظر رکھنے والے شامل تھے اس لئے ان عناصر کی قربانیوں کو فراموش کردینا جنہوں نے کانگریس کے قیام سے قبل اپنا خون پسینہ بہایا درست نہیں ہے۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں آزادی کی ۶۳ ویں سالگرہ کے موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم محبان وطن کے ان کارناموں سے آگاہ ہوں جن کے ذریعہ انہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے آزادی کے پرچم کو رنگ ونور عطا کیا خصوصاً مسلمانوں کے اس کردار کا تعین کریں جن کی بے مثال قیادت اور سرفروشانہ جدوجہد نے کامل آزادی کے خواب کو شرمندہ تعبیر کردیا۔

انگریزوں کے خلاف ہندوستان میں تحریک آزادی کا آغاز اس معرکہ سے ہوتا ہے جو پلاسی کے میدان میں ہوا اور جہاں والی بنگال سراج الدولہ نے سب سے پہلے انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل دینا چاہا لیکن سامانِ حرب کی موجودگی اور عددی اکثریت کے باوجود وہ انگریزوں کی شاطرانہ چالوں سے مات کھا گئے اور اس بہادرانہ جنگ کا فیصلہ سراج الدولہ کے وزیر میر جعفر کی غداری ونمک حرامی کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف برآمد ہوا۔

۱۷۶۴ء میں دوسری مرتبہ بنگال کے میر قاسم دہلی کے فرمانروا شاہ عالم اور والی اودھ شجاع الدولہ نے مشترکہ طور پر انگریزوں کو گھیرنا چاہا لیکن بکسر کے مقام پر شدید جنگ کے بعد بھی اس اتحاد ثلاثہ کو کامیابی نہ ملی کیونکہ اس وقت تک انگریز بنگال میں اپنے قدم جما چکے تھے۔ انگریزوں کے خلاف تیسرے جہاد کا خاتمہ ۱۷۹۹ء میں ۲۲ سالہ سرفروشانہ جدوجہد کے بعد سری رنگا پٹنم میں اس وقت ہوا جب فدائے ملک وملت سلطان ٹیپو نے اپنے مصاحب میر صادق کی سازش سے جام شہادت نوش کیا۔ اس بہادر انسان نے انگریزوں کی یلغار کا کس ولولہ اور ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا اس کا ایک معمولی ثبوت خود اس کے یہ الفاظ ہیں کہ ''گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔''

اسی شیر کی خون آلودہ لاش دیکھ کر انگریز جنرل کی زبان بے ساختہ پکار اٹھی تھی کہ:

''آج ہندوستان ہمارا ہوگیا'' لارڈ میکالے کا کہنا ہے کہ ''اگر ہندوستان میں مسلمان انگریزوں کے خلاف ابتداء میں صف آرا نہ ہوئے ہوتے اور اپنی جانوں کی بازی لگا کر ان کی سخت مزاحمت نہ کرتے تو نہایت آسانی سے پون صدی قبل ہندوستان پر ہمارا قبضہ ہوجاتا اور ۱۸۰۶ء سے ہندوستان میں انگریزوں کا جو تجارتی دور شروع ہوا بہت جلد حکومتی دور میں تبدیل ہوجاتا مگر یہ مسلمانوں کی اولوالعزمی اور مجاہدانہ جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان پر انگریزوں ی گرفت ۱۸۵۷ء سے قبل مضبوط نہ ہوسکی۔''

ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے میں ولی الٰہی سلسلہ کے علماء کرام کا بھی بڑا حصہ رہا ہے حالانکہ خود حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی وفات ۱۷۷۶ء میں ہوگئی تھی مگر ان کی اصلاحی اور انقلابی تحریک ان کے بعد ہی برگ وبار لائی اور اس نے برسوں سے خوابِ غفلت میں گرفتار مسلمانوں میں جذبۂ حریت کا گہرا شعور اور جہاد کا نہ ختم ہونے والا جوش پیدا کیا ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز دہلوی اور بھائی بھتیجوں نے اپنے اسلاف کی تحریک کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ علماء اور معتقدین کی وہ جماعت بھی تیار کرلی جس کے ایک بازو کے سپرد جہاد آزادی اور مسلح فوجی سرگرمیاں تھیں اور اس کے قائد سید احمد شہیدؒ اور اسماعیل شہیدؒ تھے تو دوسرے حصہ کے زیر نگیں تعلیم وتربیت کے ساتھ روحانی خدمات بھی تھیں۔ اس باکمال جماعت نے ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے ۱۸۰۸ء میں اپنی ان سرگرمیوں کا آغاز کیا جو کچھ عرصہ بعد ہی انگریزوں کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ میں تبدیل ہوگئیں۔ اس جماعت نے ہندوستان کو ''دارالحرب'' قرار دے کر عوام بالخصوص مسلمانوں میں وہ جذبہ حریت پھونکا کہ مجاہدین نے معمولی جدوجہد کے بعد بیشتر مقامات پر عارضی حکومتیں قائم کرلیں مگر اس وقت بھی انگریزوں کا سازشی ذہن کام آیا اور انہوں نے سکھوں کو اس جماعت کے خلاف استعمال کیا لہذا پہلے تو خالصہ فوج کو پیہم شکست ہوئی مگر ۱۸۳۱ء میں بمقام بالاکوٹ ایک گھمسان کی جنگ میں اسے کامیابی ملی اور مسلم مجاہدین داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے لیکن ان کی یہ تحریک پھر بھی ختم نہ ہوئی بلکہ زیر زمین ۱۸۵۷ء تک جاری رہی اور پورے ہندوستان میں مسلسل ۲۶ برس تک انقلاب اور جہاد کی آگ بھڑکاتی رہی۔

۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی جس کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا ہے دراصل جذبہ آزادی تھا جس سے سرشار ہوکر ہندوستانیوں اور خاص طور پر مسلمانوں نے برطانوی استبداد کے خلاف بہادر شاہ ظفر کے پرچم تلے آزادی کی لڑائی لڑی تھی۔ اس کے برعکس میرٹھ کے فوجیوں کی منشا صرف ذاتی اغراض یا مفادات ہوتے تو وہ دہلی کا رخ کیوں کرتے اور کرتے بھی تو بہادر شاہ ظفر کو اس جہاد کی علامت نہ بناتے پھر پندرہ بیس دن کے اندران کے خزانے میں جہاں پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی لاکھوں روپے جمع کردینا گھوڑے اسلحہ اور ہزارہا قلعہ شکن توپوں کا ذخیرہ کردینا یا عوام کا بڑی تعداد میں خود اس لڑائی میں شریک ہوجانا یہی واضح کرتا ہے کہ اول تو عوام کے دلوں میں بہادر شاہ ظفر کا بے پناہ احترام تھا۔ دوسرے وہ ان کو ہی حقیقی حکمراں دیکھنا چاہتے تھے اور ان کے زیر اقتدار اپنے آپ کو اور اپنی جملہ آزادیوں کو محفوظ سمجھتے تھے۔ یہ مسلم اکثریت پر مشتمل چند ہزار فوجیوں کی بغاوت نہ تھی بلکہ پوری قوم خصوصاً مسلمانوں کا وہ جذبہ حریت تھا جس کا لاوا ابتداء میرٹھ میں ضرور پکا تھا مگر جب ابلنے پر آیا تو کچھ عرصہ کے لئے انگریزوں کے اثر واقتدار کو بھی بہا لے گیا اگر سکھوں اور گورکھوں نے پنجاب سے انگریزوں کی مدد نہ کی ہوتی تو یقیناً ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے قدم ہندوستان سے اکھڑ گئے ہوتے۔

بہادر شاہ ظفر کا اس جہاد آزادی میں یوں بھی اہم رول رہا کہ انہوں نے دوسروں کی طرح ضمیر فروشی اور قوم سے غداری کرکے سلطنت اور منصب حاصل کرنے کے بجائے مجاہدین کی سربراہی قبول کی اور اس کی پاداش میں نہ صرف اپنے جگر گوشوں کے سروں کا تحفہ قبول کیا بلکہ جلاوطنی کی زندگی کے بعد غریب الوطنی کی موت بھی برداشت کی۔

اس لڑائی میں بہادر شاہ کے علاوہ بیگم زینت محل حضرت محل ولی عہد برجیس قدر جھانسی کی رانی، تاتیا ٹوپے، جنرل بخت خاں، جنرل عظیم اللہ خاں، مولانا احمد شاہ مداری اور مولوی لیاقت علی خاں بہادر کا نمایاں حصہ رہا اور اس کے اہم مراکز ابتداء میں مبارکپور، کلکتہ اور میرٹھ رہے پھر اس کا زیادہ زور دہلی، بریلی، جھانسی، لکھنؤ اور کانپور میں نظر آیا مشہور انگریز مورخ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کے الفاظ میں۔

''۱۸۵۷ء کے انقلاب کی بھٹی ان لوگوں کی سلگائی ہوئی تھی جو شاہ ولی اللہ کے نظریات کو عملی جامہ پہنا کر اس کی صداقت کو پروان چڑھانے کا تہیہ کئے بیٹھے تھے۔''

ہنٹر کی اس تحقیق کی رو سے ابتداء سے ''رولٹ کمیٹی'' کی اشاعت تک ہندوستان کی تمام باغیانہ سرگرمیاں اور حریت پسندوں کے اقدامات کی ذمہ دار اس تحریک کو تصور کیا گیا۔ جس کے افراد شاہ ولی اللہ کے سلسلہ کی درسگاہوں کے متعلم اور ان کے فلسفہ حیات کے علمبردار تھے۔ مولانا احمد اللہ شاہ، قاضی عنایت علی، نواب جھجر، صوبہ الہ آباد کے گورنر مولانا ولایت علی، بہادر کے گورنر مولانا یحیٰ علی، مولانا امام فضل حق، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا ضامن علی شہید، مولانا رشید احمد گنگوہی اور دیگر بے شمار مسلمان اسی سیاسی نظریے اور تحریک کے پروردہ تھے جو شاہ ولی اللہ کے فلسفہ پر استوار تھی۔

۱۹ویں صدی کی آخری دہائیوں میں انگریزوں کا اقتدار ہندوستان میں مستحکم ہوچکا تھا مگر تمام ہندوستانیوں اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں میں غلامی کے اس جوئے کو اتار پھینکنے کی تڑپ جاری تھی اور مسلمان اپنی خفیہ علانیہ سرگرمیوں سے اس جدوجہد میں اتنے سرگرداں تھے کہ ملک کا کوئی دوسرا فرقہ ان کا ہمسر وساتھی نظر نہیں آتا تھا۔ درحقیقت مسلم قیادت اور اس کا مذہبی بازو معرکہ بالاکوٹ کے بعد قطعی ختم یا پارہ پارہ نہیں ہوا تھا بلکہ باغستان کے پہاڑی مرکز میں اس کا باقاعدہ دفتر اور تنظیم موجود تھی اور اس کے اہم رہنما مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور ہندوستان کے مختلف شہروں سے نہ صرف اس کی نگرانی کررہے تھے بلکہ اس کو بہتر طور پر فعال بھی بنا رہے تھے۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی تحقیق بھی یہی ہے کہ ''۱۸۶۸ء میں ستلانہ مرکز پر ۹۰ ہزار کا لشکر دادِ شجاعت دے رہا تھا جس کے خوردونوش اور ضروریات زندگی کی فراہم اسی خفیہ تنظیم کے سپرد تھی جس کے ایک اہم رہنما مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے''۔

۱۹۱۸ء کے بعد ہندوستانی مسلمان بالخصوص علماء کرام نے جن تحریکات کو اپنے خون سے سینچا ان میں ''ریشمی رومال'' اور ''خلافت تحریک'' سب سے اہم ہیں۔ ''ریشمی رومال'' ایک زیرِ زمین تحریک تھی جس کے خفیہ مراکز ہندوستان کے ناندیر، پانی پت، لاہور، کراچی، اتمان زئی، امروٹ، ترنگ زئی، ڈھاکہ اور آسام میں کئی مقامات پر قائم تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن اس کے سربراہ تھے اور دوسرے اہم ارکان میں مولانا عبیداللہ سندھی، مولوی عزیز گل، مولوی احمد اللہ پانی پتی، مولانا ظہور محمد سہارنپوری وغیرہ تھے۔ اس تحریک کے ذریعہ ان علماء کرام نے انگریزوں کے خوفناک شکنجے میں جکڑے ہوئے ہندوستان میں خفیہ مراسلت اور رازدارانہ نام وپیام کا کام انجام دیا۔ پھر ''جلیانوالا باغ'' سانحہ سے چار سال قبل مولانا عبیداللہ سندھی کی جدوجہد سے مجاہدین کا ایک موثر مرکز افغانستان میں قائم ہوا اور انقلاب پسندوں میں ایک نئی روح دوڑ گئی نیز ''جلاوطن'' حکومت کے قیام کے لئے انقلابیوں کے تعلقات بین الاقوامی سطح پر استوار ہوگئے۔

اس کے بعد ۱۹۱۵ء میں ''موقتۃ الہند'' کے نام سے جو جلاوطن حکومت قائم کی گئی اس کے عہدیداروں میں صدر راجہ مہندر پرتاپ، وزیراعظم مولانا برکت اللہ بھوپالی، وزیر داخلہ مولانا عبیداللہ سندھی اور وزیر خارجہ مولانا منصور انصاری اور وزیر دفاع ترکی کے جنرل کاظم بے بنائے گئے جن میں ایک کے سوا سب مسلمان تھے۔ اور انہوں نے افغانستان کی سرزمین کو اپنے لئے تنگ پاکر دوسرے ممالک کے بھی دورے کئے جن میں سوویت یونین ترکی، جاپان، جرمنی اور امریکہ قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ۱۹۱۸ء میں جس خلافت تحریک کا آغاز ہوا یا اس سے قبل جس جمعیۃ علماء کی تشکیل عمل میں آئی اس نے خفیہ نہیں بر سر عام آزادی کی جدوجہد کا سلسلہ شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریکات اتنی طاقتور ہوگئیں کہ انگریزوں کا اقتدار ڈگمگانے لگا اور مہاتما گاندھی نے بھی اس میں شرکت اختیار کرلی۔ اس تحریک کے وسیلہ سے مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں، مولانا کفایت اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی، حسرت موہانی، نورالدین بہاری، ڈاکٹر انصاری اور آصف علی کے علاوہ ہزاروں باہمت مسلمانوں اور ان کے زیر قیادت کالج واسکول کے طلباء نے بے مثال قربانیاں پیش کیں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں اور اپنے عزم کی طاقت سے نہ صرف وقت کا مزاج بدل دیا بلکہ سیاست کو ایک مقدس مشن بنا کر پیش کیا اور قصہ خوانی بازار سے لے کر انڈومان کے سیاہ پانیوں تک آزادی کی پوری شاہراہ کو اپنے خون کے چھڑکاؤ سے رنگین کردیا۔ کانگریس کو حوصلہ ان سے ملا دوسری تحریکات کا مزاج انہوں نے بدلا پھر اس ملک کے حریت پسند شاہینوں کے خوابوں کی تعبیر کی صورت میں جب آزادی ملی تو سب سے زیادہ یہی نظر انداز کئے جارہے ہیں اور ہندوستان میں انہیں آج بھی آزمائش وحق تلفی کا شکار ہونا پڑ رہا ہے۔ ☆

کنچہ گچی باؤلی اراضی کی ترقی کیلئے حکومت کے اقدامات کی تائید

اندرون 6 ہفتے ایکشن پلان پیش کرنے سپریم کورٹ کی اجازت

حیدرآباد۔ سپریم کورٹ میں آج کنچہ گچی باؤلی اراضی تنازعہ پر سماعت ہوئی اور عدالت نے فریقین کی سماعت کی۔ ریاستی حکومت نے سپریم کورٹ کو واقف کرایا کہ اراضی کی ترقی کیلئے جامع منصوبہ تیار کیا جارہا ہے۔ چیف جسٹس بی آر گوائی کی زیر قیادت بنچ نے حکومت کی اس تجویز کا

خیر مقدم کیا اور کہا کہ اگر حکومت اراضی کی ترقی کے اقدامات کرتی ہے تو یہ قابل ستائش ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ وہ ترقی کے خلاف نہیں ہے لیکن ماحولیات اور جنگلات کا تحفظ کیا جانا چاہئے۔ جسٹس بی آر گوائی نے کہا کہ اگر ریاستی حکومت اراضی کی ترقی سے متعلق جامع منصوبہ پیش کرتی ہے تو عدالت سابق میں کئے گئے ریمارکس سے دستبرداری اختیار کرلے گی۔ تلنگانہ حکومت نے جامع منصوبہ کی عدالت میں پیشکشی کیلئے 6 ہفتوں کا وقت مانگا اور چیف جسٹس آف انڈیا نے منظوری دے دی۔ چیف جسٹس نے کہا کہ اگر اراضی کے تحفظ کے لئے حکومت اقدامات کرتی ہے تو سپریم کورٹ بھی اس کی ستائش کرے گی۔ واضح رہے کہ حکومت نے حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی سے متصل اراضی کو صنعتوں کو الاٹ کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اس کیلئے اراضی کی صفائی کے کام کا آغاز کیا گیا۔ جہد کاروں کی جانب سے سپریم کورٹ میں درخواست دائر کرتے ہوئے جنگل کی صفائی اور ماحولیاتی عدم تحفظ کی شکایت کی۔ سپریم کورٹ نے درختوں کی کٹوائی پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے دوبارہ شجر کاری کی ہدایت دی تھی۔ حکومت نے سپریم کورٹ میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے اراضی کی ترقی کا تیقن دیا۔

آدھار کی طرز پر اراضیات کیلئے بھودھار نمبر کی اجرائی

حکمت عملی طے کرنے چیف منسٹر کی ہدایت، اندراماں ہاوزنگ مکانات کی جلد تکمیل، ریونت ریڈی کا اعلیٰ سطحی اجلاس

حیدرآباد۔ تلنگانہ حکومت نے افراد آدھار کارڈ کی طرز پر اراضیات کے لئے بھی تفصیلات پر مشتمل ''بھودھار'' کارڈ کی اجرائی کا فیصلہ کیا ہے جس کے تحت ریاست کی تمام اراضیات کو بھودھار نمبر الاٹ کیا جائے گا۔ چیف منسٹر ریونت ریڈی نے ریاست بھر میں اراضیات کو بھودھار نمبر الاٹ کرنے کے لئے درکار حکمت عملی تیار کرنے کی عہدیداروں کو ہدایت دی۔ چیف منسٹر نے کمانڈ کنٹرول سنٹر میں آج ریونیو اور ہاوزنگ محکمہ جات پر اعلیٰ سطحی اجلاس منعقد کیا۔ ریاست میں منعقدہ ریونیو سداسو میں وراثت اور دیگر سے متعلق موصولہ درخواستوں کی عاجلانہ یکسوئی کی ہدایت دی گئی۔ چیف منسٹر نے کہا کہ لائنس یافتہ سروائرس کے سروے کی تکمیل کے بعد ریگولر سروئرس کی جانب سے جانچ کی جانی چاہئے کورار بن علاقوں میں تعمیر کئے جانے والے 10 نئے سب رجسٹرار دفاتر کا چیف منسٹر نے جائزہ لیا۔ انہوں نے کہا کہ ہر رجسٹرار آفس میں پارکنگ اور کینائیٹن کے علاوہ دیگر بنیادی سہولیات فراہم کی جائیں۔ دفاتر کو عوامی ضروریات کے مطابق تیار کیا جائے اور عوام کے لئے بنیادی سہولیات کے ساتھ ساتھ بہتر ماحول رہے۔ چیف منسٹر نے ریاست کے بعض اضلاع میں اندراماں ہاوزنگ کے تحت مکانات کی تعمیر کا جائزہ لیا۔ عہدیداروں نے چیف منسٹر کو بتایا کہ اندراماں ہاوزنگ کے تحت بڑی تعداد میں مکانات کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے۔ جاریہ ماہ کے اواخر تک اندراماں ہاوزنگ مکانات کو تکمیل کرنے چیف منسٹر نے عہدیداروں کو ہدایت دی۔ حیدرآباد میں ہاوزنگ بورڈ کے ساتھ جوائنٹ وینچر کے تحت موجود پراجکٹ کے مسائل جلد حل کرنے چیف منسٹر نے ہدایت دی۔ جائزہ اجلاس میں وزیر مال و ہاوزنگ پی سرینواس ریڈی، چیف منسٹر کے سکریٹری وی شیشادھری کے ایس سرینواس راجو، چیف منسٹر کے سکریٹری مانک راج، چیف کمشنر اینڈ اڈمنسٹریشن لوکیش کمار، اسپشل سکریٹری اٹامک اینڈ رجسٹریشن راجیو ہنمنتو، ہاوزنگ وی پی گوتم اور دیگر عہدیداروں نے شرکت کی

بارش سے متاثرہ علاقوں میں امدادی کاموں کیلئے کانگریس کارکنوں سے اپیل

حیدرآباد۔ صدر پردیش کانگریس مہیش کمار گوڑ نے پارٹی قائدین اور کارکنوں کو آئندہ تین دن تک ریاست بھر میں موسلادھار بارش کے پیش نظر سخت چوکسی کا مشورہ دیا۔ انہوں نے پارٹی قائدین اور کارکنوں کے نام پیام جاری کرتے ہوئے موسلادھار بارش کی صورت میں عوام کی مدد کے لئے تیار رہنے کی خواہش کی۔ انہوں نے کہا کہ سرکاری عہدیداروں کے ساتھ اشتراک کرتے ہوئے بچاؤ راحت کے کاموں میں حصہ لینا چاہئے تاکہ جانی اور مالی نقصانات کو روکا جاسکے۔ حکومت نے ریاست بھر میں نظم ونسق کو چوکسی کی ہدایت دی ہے اور کانگریس کارکنوں کو بھی مصیبت کی اس گھڑی میں عوام کی مدد کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ نشیبی علاقوں میں عوام کو محفوظ مقامات منتقل کرنے میں حکام کی مدد کی جائے اور ضروری امدادی سامان فراہم کئے جائیں۔ خاص طور پر خواتین، بچوں اور ضعیف افراد کو متاثرہ علاقوں سے منتقل کرنے میں مدد کی جائے۔ پولیس، بلدی نظم ونسق، ریونیو، حیڈرا اور دیگر محکمہ جات کے عہدیداروں سے کارکنوں کو ربط میں رہتے ہوئے متاثرہ علاقوں میں امدادی کاموں کو یقینی بنانا چاہئے۔

حج 2026 کیلئے تلنگانہ سے 4288 عازمین کا انتخاب

محفوظ زمرہ میں 839 عازمین منتخب، 7465 عازمین ویٹنگ لسٹ میں، پہلی قسط کی ادائیگی کیلئے 20 اگست تک مہلت

حیدرآباد۔ حج 2026 کیلئے تلنگانہ سے 4288 عازمین حج کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ حج کمیٹی آف انڈیا کی جانب سے آج ممبئی میں آن لائین قرعہ اندازی کا اہتمام کرتے ہوئے ملک بھر کے عازمین کا انتخاب عمل میں آیا۔ ریاستوں کو الاٹ کردہ حج کوٹہ کے مطابق قرعہ اندازی کی گئی اور منتخب عازمین کو ایس ایم ایس کے ذریعہ انتخاب کی اطلاع دی گئی۔ تلنگانہ حج کمیٹی کو جملہ 11575 درخواستیں موصول ہوئیں جبکہ حج کوٹہ 4292 الاٹ کیا گیا۔ 65 سال سے زائد عمر کے 772 عازمین کا قرعہ اندازی کے بغیر محفوظ زمرہ میں انتخاب عمل میں آیا۔ 65 سال سے زائد عمر کی محرم کے بغیر درخواست دینے والی دو خواتین اور 45 سال سے زائد عمر کی محرم کے بغیر زمرہ میں 45 خواتین کا قرعہ اندازی کے بغیر انتخاب عمل میں آیا۔ محفوظ زمرہ میں تلنگانہ سے جملہ 839 عازمین کو منتخب کیا گیا۔ 3453 عازمین کا انتخاب 10918 عازمین میں سے قرعہ اندازی کے ذریعہ کیا گیا۔ تلنگانہ میں 7465 درخواست گزار ویٹنگ لسٹ کے تحت شمار کئے گئے ہیں اور حج کمیٹی آف انڈیا کی جانب سے ویٹنگ لسٹ کی اجرائی کے بعد عازمین کو اطلاع دی جائے گی۔ صدرنشین تلنگانہ حج کمیٹی مولانا سید غلام افضل بیابانی خسرو پاشاہ نے منتخب عازمین کو مبارکباد پیش کی اور اپیل کی کہ 20 اگست تک حج مصارف کے اڈوانس کے طور پر 152300 روپئے حج کمیٹی آف انڈیا کے اکاؤنٹ میں جمع کردیں۔ انہوں نے کہا کہ حج کمیٹی آف انڈیا کی جانب سے ویٹنگ لسٹ کی منظوری کے بعد تلنگانہ سے روانہ ہونے والے عازمین کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ ویٹنگ لسٹ میں منتخب عازمین کی فہرست حج کمیٹی آف انڈیا کے ویب سائیٹ پر پیش کی گئی ہے۔ صدرنشین حج کمیٹی کے مطابق حج 2026 کیلئے موثر انتظامات کئے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ حج کیمپ میں عازمین کو دی جانے والی سہولتوں کے بارے میں حج کمیٹی کے اجلاس میں فیصلہ کیا جائے گا۔ عازمین حج کسی بھی معلومات کے سلسلہ میں حج کمیٹی کے دفتر واقع حج ہاؤز نامپلی سے ربط قائم کرسکتے ہیں۔

شہر اور اضلاع میں وقفہ وقفہ سے بارش، نشیبی علاقوں میں پانی داخل

مزید تین دن بارش کی پیش قیاسی، شہریوں کو غیر ضروری سفر سے گریز کا مشورہ

حیدرا?باد۔ حیدرآباد اور اضلاع کے مختلف علاقوں میں وقفہ وقفہ سے بارش کا سلسلہ جاری ہے۔ پرانا شہر حیدرا?باد کے علاوہ میاں پور، چندانگر، لنگم پلی، گچی باؤلی، مادھاپور، کونڈاپور، رائے درگم، بنجارہ ہلز، جوبلی ہلز، صنعت نگر، ایس آر نگر، ایراگڈہ، امیرپیٹ، پنجہ گٹہ، بورابنڈہ، یوسف گوڑہ، ڈنڈی گل، گنڈی مائیسماں، مَلّم پیٹ، بہادر پلی، سورارم، کومپلی، سوچترا، جیڈی میٹلہ، بالانگر، سکندرآباد، ترملگری، الوال، جواہر نگر، بولارم، پیٹنی، پیراڈائز، چلکل گوڑہ اور ماریڈ پلی سمیت کئی مقامات پر موسلادھار بارش سے شہریوں کو آمدورفت میں مشکلات کا سامنا ہے اور کئی مقامات پر ٹریفک جام کی اطلاع ہے۔ شدید بارش کے باعث شہر کی سڑکوں پر پانی جمع ہونے اور ٹریفک میں رکاوٹ کے خدشہ کے پیش نظر متعلقہ محکموں کو احتیاطی اقدامات کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ نشیبی علاقوں پر پانی جمع ہونے کی شکایات موصول ہوئی ہیں۔ جی ایچ ایم سی کی ایمرجنسی ٹیمیں پمپ سیٹس اور مشنری کے ساتھ پانی نکالنے کے کام میں مصروف ہیں۔ کئی مقامات پر ڈرینج لائینیں ابل پڑی ہیں جس سے سڑکوں پر کیچڑ اور پھسلن پیدا ہوگئی ہے۔ محکمہ موسمیات نے آئندہ تین دنوں تک مزید بارش کی پیش قیاسی کرتے ہوئے شہریوں کو غیر ضروری سفر سے گریز کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ ٹریفک پولیس نے بھی اہم چوراہوں پر اضافی ملازمین تعینات کردیئے ہیں تاکہ ٹریفک جام سے نمٹا جاسکے۔ کئی رہائشی کالونیوں میں بجلی کی سربراہی متاثر ہوئی۔ ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے ڈیزاسٹر مینجمنٹ کے عملے کو بھی الرٹ رہنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

تلنگانہ کے بیشتر ذخائر آب لبریز اضلاع کے ذخائر سے پانی کا اخراج، کئی مقامات پر پشتے ٹوٹ گئے

حیدرا?باد۔ تلنگانہ کے بیشتر ذخائرا?ب لبریز ہوچکے ہیں اور کئی ذخائرا?ب سے پانی کا اخراج شروع کیا جاچکا ہے۔ تلنگانہ کے اضلاع میں موجود ذخائرا?ب کے دروازے کھولتے ہوئے جمع ہونے والے پانی کی نکاسی کا عمل شروع کیا جانے لگا ہے جس کے نتیجہ میں ریاست کی بیشتر ندیوں میں پانی کے بہاو? میں تیزی ریکارڈ کی جانے لگی ہے۔ ریاست کے کئی مقامات پر مسلسل بارشوں کے نتیجہ میں تالابوں کے پشتے ٹوٹنے کے سبب دیہی علاقوں میں پانی داخل ہونے لگا ہے اور کئی مواضعات کے راستے مسدود ہوچکے ہیں۔ ذخائرا?ب میں تیزی سے جمع ہونے والے پانی کے اخراج کے سلسلہ میں کئے جانے والے اقدامات کے تحت عہدیداروں نے جرالہ پراجکٹ کے 10 دروازے کھولتے ہوئے پانی کے اخراج کے اقدامات کئے ہیں جبکہ سری سیلم ڈیم کے 6 دروازوں کو کھولتے ہوئے پانی کے اخراج کو یقینی بنایا جارہا ہے۔ ناگرجنا ساگر کے 26 دروازے کھولتے ہوئے سری سیلم ڈیم سے بھی پانی خارج کیا جانے لگا ہے۔ پڑوسی ریاستوں کرناٹک و مہاراشٹرا سے تلگو ریاستوں کو پہنچنے والے بارش کے پانی کے سبب ان ذخائرا?ب کی سطح ا?ب میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا ہے جسے دیکھتے ہوئے عہدیداروں نے مذکورہ ذخائرا?ب سے پانی کے اخراج کے اقدامات شروع کئے ہیں اور کہا جارہا ہے کہ اگر مذکورہ ذخائرا?ب کی سطح میں مزید اضافہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں مزید دروازے کھولتے ہوئے پانی خارج کرنے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ شہر حیدرا?باد کے نواحی علاقہ میں موجود ذخیرہ ا?ب حمایت ساگر سے پانی کے اخراج کا سلسلہ جاری ہے اور 4 دروازوں کو تین فیٹ تک کھولتے ہوئے موسیٰ ندی میں پانی چھوڑا جارہا ہے جس کے نتیجہ میں موسیٰ ندی کے بہاو? میں تیزی دیکھی جارہی ہے اور بارش کے سبب ندی کی سطح میں بھی اضافہ ریکارڈ کئے جانے کے امکانات ہیں۔ محکمہ ا?بپاشی کے عہدیدار نلگنڈہ میں واقع موسیٰ پراجکٹ کے 5 دروازوں کو کھولتے ہوئے اس پراجکٹ سے بھی پانی کے اخراج کو یقینی بنارہے ہیں جبکہ عثمان ساگر (گنڈی پیٹ) کے دروازوں کو کھولنے کے سلسلہ میں تاحال قطعی فیصلہ نہیں کیا گیا

چیف منسٹر قلعہ گولکنڈہ پر 15 اگست کو قومی پرچم لہرائیں گے

اضلاع میں پرچم کشائی کیلئے وزراء اور اہم شخصیتوں کو ذمہ داریاں

حیدرآباد۔ تلنگانہ حکومت نے 15 اگست کو ملک کے 79 ویں یوم آزادی کے موقع پر حیدرآباد اور اضلاع میں پرچم کشائی کیلئے وزراء اور اہم شخصیتوں کے ناموں کو قطعیت دی ہے۔ چیف سکریٹری رام کرشنا راؤ نے جی او آر ٹی 1102 جاری کیا۔ چیف منسٹر ریونت ریڈی 15 اگست کو صبح 10 بجے تاریخی قلعہ گولکنڈہ پر قومی پرچم لہرائیں گے۔ چیف منسٹر پرچم کشائی سے قبل ملک پر جان قربان کرنے والے فوجی شہداء کو خراج پیش کریں گے۔ حکومت نے مختلف اضلاع کے لئے وزراء اور صدورنشین کو پرچم کشائی کی ذمہ داری دی ہے۔ وزیر زراعت ناگیشور راؤ کتہ گوڑم، وزیر جنگلات کونڈا اسریکھا ہنمکنڈہ، وزیر اقلیتی بہبود اے لکشمن کمار جگتیال، صدرنشین ایس سی کوآپریٹو فینانس کارپوریشن بی نائک بھوپال پلی، گورنمنٹ وہپ بی ایلیا جنگاؤں، نئی دہلی میں حکومت کے نمائندے جتیندر ریڈی گدوال، صدرنشین فارمرس کمیشن کودنڈا ریڈی کاما ریڈی، وزیر انفارمیشن ٹکنالوجی سریدھر بابو کریم نگر، ڈپٹی چیف منسٹر بھٹی وکرمارکا کھمم، ڈپٹی چیرمین کونسل بنڈا پرکاش آصف آباد، گورنمنٹ وہپ رام چندر نائک محبوب آباد، وزیر سیاحت جوپلی کرشنا راؤ محبوب نگر، وزیر لیبر جی ویویک میدک، حکومت کے مشیر ڈاکٹر کے کیشو راؤ میڑچل، ریاستی وزیر ڈی انوسویا سیتکا ملگ، نائب صدرنشین پلاننگ بورڈ جی چنا ریڈی ناگر کرنول، ریاستی وزیر کومٹ ریڈی وینکٹ ریڈی نلگنڈہ، ریاستی وزیر وی سری ہری نارائن پیٹ، صدرنشین بی سی کمیشن جی نرنجن نظام آباد، صدرنشین اقلیتی فینانس کارپوریشن عبیداللہ کوتوال پدا پلی، گورنمنٹ وہپ اے سرینواس سرسلہ، حکومت کے مشیر وی نریندر ریڈی رنگا ریڈی، ریاستی وزیر دامودر راج نرسمہا سنگا ریڈی، ریاستی وزیر پونم پربھاکر سدی پیٹ، ریاستی وزیر اتم کمار ریڈی سوریا پیٹ، اسپیکر اسمبلی جی پرساد کمار وقار آباد، گورنمنٹ چیف وہپ پی مہیندر ریڈی ونپرتی، وزیر مال سرینواس ریڈی ورنگل اور صدرنشین قانون ساز کونسل جی سکھیند ر ریڈی بھونگیر میں پرچم کشائی انجام دیں گے۔

جی ایچ ایم سی شہر میں 358 مخدوش عمارتوں کو منہدم کرنے کوشاں

عمارتوں کے مالکین سے رابطہ پرزور، بارش کے پیش نظر ملازمین کے رخصتیں منسوخ

حیدرآباد۔ مجلس بلدیہ عظیم تر حیدرا؟ باد کے حدود میں واقع 358 مخدوش عمارتوں کے حصول اور ان کے انہدام کے اقدامات کو تیز کیا جائے اور جی ایچ ایم سی کے شعبہ ٹاو؟ ن پلاننگ میں خدمات انجام دینے والے تمام عہدیدار و ملازمین شہر میں موجود رہتے ہوئے اپنی خدمات کو بہتر بنائیں۔ کمشنر مجلس بلدیہ عظیم تر حیدرا؟ باد مسٹرا؟ روی کرنن نے جی ایچ ایم سی عملہ کی رخصتوں کو منسوخ کرتے ہوئے دونوں شہروں میں موجود تمام مخدوش عمارتوں کے مالکین سے رابطہ کرتے ہوئے انہیں ان جائیدادوں کا تخلیہ کرنے کے لئے ا؟ مادہ کریں تا کہ ا؟ ئندہ 3 یوم کے دوران ہونے والی والی موسلا دھار بارشوں کے سبب ہونے والے امکانی حادثات سے شہریوں کو محفوظ رکھنے کے اقدامات کئے جاسکیں۔ عہدیداروں کے مطابق بلدی حدود میں جملہ 685 مخدوش عمارتوں کی مانسون سے قبل نشاندہی کی گئی تھی اور ان میں 327 عمارتوں کو حاصل کرتے ہوئے انہیں منہدم کردیا گیا یا مکینوں کا تخلیہ کرواتے ہوئے ان جائیدادوں کو مہر بند کیا گیا ہے لیکن اس کے علاوہ 358 مخدوش جائیدادیں موجود ہیں جنہیں حاصل کیا جانا ہے۔ کمشنر جی ایچ ایم سی مسٹرا؟ روی کرنن نے بلدی حدود میں جاری تعمیراتی کاموں کا جائزہ لینے اور جن تعمیرات میں سیلر کی کھدوائی جاری ہے اسے فوری طور پر روکنے کے اقدامات کرنے کی ہدایت دی ہے۔ انہوں نے اپنے ماتحت عہدیداروں کے لئے جاری کردہ ہدایات میں کہا کہ تمام تعمیرات کی تفصیلات جمع کرتے ہوئے انہیں پیش کی جائیں۔ بتایا جاتا ہے کہ دونوں شہروں میں 154 ایسی تعمیرات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں سیلر کی کھدوائی کا عمل جاری ہے لیکن ان میں 61 تعمیرات میں ریٹیننگ وال کی تعمیر مکمل کی جاچکی ہے جبکہ 93 تعمیرات میں دیوار کی تعمیر کا عمل جاری ہے۔ ذرائع کے مطابق مجلس بلدیہ عظیم تر حیدرا؟ باد کے حدود میں جاری تعمیرات کی تفصیلات کے مطابق جی ایچ ایم سی نے 52 غیر قانونی سیلر کی کھدوائی کی نشاندہی کی ہے اور ان کے خلاف کاروائی کو یقینی بنانے کے لئے نوٹسوں کی اجرائی عمل میں لائی جاچکی ہے۔ مسٹرا؟ روی کرنن نے جی ایچ ایم سی حدود میں ا؟ ئندہ 3 یوم کے دوران ہونے والی امکانی بارشوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے حالات سے نمٹنے کے لئے اقدامات کی تاکید کرتے ہوئے کہا کہ جی ایچ ایم سی میں خدمات انجام دینے والے عہدیدار بغیر پیشگی اجازت حاصل کئے شہر کے باہر نہ جائیں اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو ان کے خلاف سخت کاروائی کی جائے گی۔

محکمہ برقی کے عہدیداروں کو 24 گھنٹے دستیاب رہنے کی ہدایت :مشرف فاروقی

حیدرآباد۔ ریاست میں موسلا دھار بارش کی وارننگ کے پیش نظر صدرنشین و مینجنگ ڈائرکٹر سدرن پاور ڈسٹری بیوشن کمپنی مشرف فاروقی آئی اے ایس نے تمام عہدیداروں کو ہائی الرٹ کی ہدایت دی ہے۔ کارپوریشن میں انجینئرس اور اسٹاف کی تعطیلات کو منسوخ کردیا گیا ہے اور انہیں ہیڈ کوارٹر پر 24 گھنٹے دستیاب رہنے کی ہدایت دی گئی۔ کمپنی میں کارپوریٹ آفس کے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے تقریباً 200 عہدیداروں اور ملازمین کو فیلڈ لیول آپریشن سرکلس میں تعینات کیا گیا ہے۔ زونل اور سرکل دفاتر کے عہدیداروں کی بھی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ سرکاری ہاسپٹلس اور دیگر اداروں میں برقی کی سربراہی پر نظر رکھی جائے گی۔ گریٹر حیدرآباد میں 2013 سیکشن آفسیس اور فیوز آف کال آفسیس کو کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کیلئے عصری آلات فراہم کئے گئے ہیں۔ 176 ایمرجنسی ریسپانس ٹیمیں گاڑیوں کے ساتھ تشکیل دی گئی ہیں۔ مشرف فاروقی نے ڈائرکٹر آپریشنس ڈاکٹر نرسمہلو کے ہمراہ حسین ساگر سب اسٹیشن کا معائنہ کیا اور وہاں موجود ای آر ٹی گاڑیوں اور آلات کا معائنہ کیا۔ مشرف فاروقی نے عہدیداروں سے کہا کہ اپارٹمنٹس میں بارش کا پانی داخل ہونے کی صورت میں برقی شاک جیسی صورتحال سے بچاؤ کے اقدامات کئے جائیں۔ اپارٹمنٹ کے سیلرس میں پانی کی فوری نکاسی کا انتظام کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ عوام برقی سربراہی سے متعلق کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں 1912 پر ربط کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسپیشل کنٹرول رومس کے نمبرس بھی عوام کی سہولت کیلئے جاری کئے گئے

پراجکٹس اور ذخائر آب پر 24 گھنٹے نظر رکھنے انجینئرس کو اتم کمار ریڈی کی ہدایت محکمہ آبپاشی میں رخصت منسوخ، عہدیداروں کے ساتھ ویڈیو کانفرنس،

ذخائر آب کو کسی بھی نقصان سے بچانے کا مشورہ

حیدرآباد۔ وزیر آبپاشی اتم کمار ریڈی نے تلنگانہ میں موسلا دھار بارش کے اندیشہ کے تحت تمام آبپاشی پراجکٹس پر 24 گھنٹے چوکسی کی عہدیداروں کو ہدایت دی۔

اتم کمار ریڈی نے اعلیٰ سطحی اجلاس اور ویڈیو کانفرنس کے ذریعہ محکمہ آبپاشی کے عہدیداروں کو آبپاشی پراجکٹس پر گہری نظر رکھنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ آبپاشی ڈپارٹمنٹ کے تمام عہدیدار کو اپنے ہیڈکوارٹر پر موجود رہتے ہوئے تمام ذخائر آب، کنالوں، تالابوں اور آبپاشی پراجکٹس کی سطح پر نظر رکھنے کی ہدایت دی۔ انہوں نے کہا کہ موسلا دھار بارش کے نتیجہ میں پانی کے تیز بہاؤ سے پراجکٹس کو نقصان کا اندیشہ رہتا ہے، لہذا کسی طرح کے امکانی شگاف سے بچنے کیلئے عہدیداروں کو چوکس رہنا چاہیئے۔ اتم کمار ریڈی نے اعلیٰ عہدیداروں کو اس بات کا اختیار دیا کہ وہ سیلاب سے متعلق کاموں کی تکمیل کیلئے ضروری قواعد کی پرواہ کئے بغیر ہی مرمتی کام انجام دیں۔ انہوں نے آئندہ 72 گھنٹوں تک اعلیٰ عہدیداروں کو تمام پراجکٹس پر دستیاب رہنے کا مشورہ دیا تاکہ پانی کی سطح اور پانی کی نکاسی پر نظر رکھی جاسکے۔ اتم کمار ریڈی نے محکمہ کے انجینئر انچیف، سپرنٹنڈنگ انجینئرس، چیف انجینئرس، اگزیکیٹیو انجینئرس اور ڈپٹی اگزیکیٹیو انجینئرس کے ساتھ ویڈیو کانفرنس کی۔ پرنسپل سکریٹری آبپاشی راہول بوجا، اسپیشل سکریٹری پرشانت پاٹل اور دیگر عہدیدار موجود تھے۔ چیف منسٹر ریونت ریڈی نے محکمہ موسمیات کی پیش قیاسی کے بعد ضلع کلکٹرس کے ساتھ ویڈیو کانفرنس میں آئندہ 72 گھنٹوں تک چوکسی کی ہدایت دی تھی۔ اتم کمار ریڈی نے کہا کہ بھدرادری، کتہ گوڑم، بھوپال پلی، کھمم، میدک، ملکا جگری، ملگ، سنگاریڈی، سوریا پیٹ، وقار آباد اور بھونگیر میں آئندہ 24 گھنٹوں تک موسلا دھار سے زیادہ تیز بارش کی پیش قیاسی کی گئی ہے اور ریاست کے بیشتر علاقوں میں 72 گھنٹوں تک بارش کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اتم کمار ریڈی نے کہا کہ کسی بھی عہدیدار کو رخصت منظور نہیں کی جائے گی اور اس مدت کے دوران ہر کسی کو 24 گھنٹے دستیاب رہنا ہوگا۔ تالابوں یا ذخائر آب میں کسی بھی خرابی کی صورت میں فوری طور پر ضلع کلکٹر اور چیف انجینئر کو اطلاع دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ریونیو اور پولیس ڈپارٹمنٹ سے اشتراک کرتے ہوئے پراجکٹس کے اطراف کے علاقوں میں پٹرولنگ کا اہتمام کیا جائے تاکہ پانی کے بہاؤ میں اضافہ سے آبادیوں کو نقصان نہ پہنچے۔ وزیر آبپاشی نے ضلع واری سطح پر پراجکٹس میں پانی کی سطح کا جائزہ لیا جن میں ناگرجنا ساگر، جورالا، کڈم اور دیگر ذخائر آب شامل ہیں۔

Editor Printer, Publisher & Owner by MOHD ATHER RAHEEM Published from FALAKNUMA NEWS Urdu Weekly 19-4-276/5/A Flat No 502.5th Floor Lakeview Residency,Baquar Nagar,BNK Colony,Miralam Tank Hyderabad 500 064. Printed at M/s.AIJAZ PRESS #22-8-147 & 148 Lane Opp: Diwan Devdi Chatta Bazar,Hyderabad-500002 Telangana.Cell: no.8686082012 , 8019632340,www.falaknumanews.in